تبلیغی تحریک کی ابتدا
اور اس کے
بنیادی اصول

تالیف:- حضرت الحاج میاں جی محمد علیسی صاحب فیروزپوری

رحمانی بک ڈپو

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

اور سست مت بنو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو اگر تم پورے مومن ہو

تبلیغی تحریک کی ابتدا سے

بیاض صوفی

تالیف

حضرت الحاج میانجی محمد عیسیٰ صاحب فیروزپوری

اہتمام

حکیم قاری مصباح الدین صاحب جامعی مرادآبادی

ناشر

ربانی بک ڈپو

کٹرہ شیخ چاندلال کنواں دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : تبلیغی تحریک کی ابتداء اور اس کے بنیادی اصول

تالیف : الحاج میانجی منشی محمد عیسی صاحب فیروزپوریؒ

کتاب : مولانا محبوب الرحمٰن صاحب قاسمی بجنوری

مصحح : مولانا مجیب الرحمٰن صاحب غازی پوریؒ

اہتمام : ربانی برادران دہلی

طباعت : شیبا آفسیٹ پرنٹرس دہلی

تعداد : ۱۱۰۰ گیارہ سو ۱۹۹۹ء

قیمت : 35 روپے

ناشر

ربانی بک ڈپو کٹرہ شیخ چاندلال کنواں دہلی ۶

Ph.:3210118, 3217840

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱	سبب تالیف	۴
۲	تبلیغ کی ابتدا کیسے اور کہاں سے ہوئی	۶
۳	تمہید	۲۰
۴	تبلیغی محنت کے بنیادی اصول	۳۹
۵	اوّل چھٹا نمبر	۴۲
۶	چھ نمبروں کا پہلا رُخ	〃
	اول نمبر۔ کلمۂ طیبہ	〃
۷	دوسرا نمبر۔ نماز	۴۹
۸	تیسرا نمبر۔ علم و ذکر	۶۴
۹	چوتھا نمبر۔ اکرام مسلم	۸۰
۱۰	پانچواں نمبر۔ تصحیح نیت	۸۷
۱۱	چھٹا نمبر۔ تبلیغ	۹۶
۱۲	چھ نمبروں کا دوسرا رخ	۱۱۲

نمبر شمار	مضامین	صفحات
۱۳	نفر فی سبیل اللہ	۱۱۷
۱۴	موقع شناسی، مردم شناسی	۱۲۰
۱۵	اختلافی مسائل سے اجتناب	〃
۱۶	جوش و ہوش	۱۲۱
۱۷	بے غرض ہو کر کرنا	۱۲۲
۱۸	اپنے اوپر اپنا مال خرچ کرنا	〃
۱۹	ہجرت و نصرت	〃
۲۰	معروف کی دعوت دینا منکر کو نہ چھیڑنا	۱۲۳
۲۱	امت کی بے دینی کا غم اور امت پر شفقت	۱۲۴
۲۲	امیر کا انتخاب اور اس کی اطاعت	۱۲۵
۲۳	اجتماع کو باقی رکھنا، افتراق سے بچنا	۱۲۶

سببِ تالیف

اللہ رب العزت کی یہ عادتِ جاریہ ہے کہ جب انسانوں میں گمراہی، بدعملی، بدکرداری اور آخرت سے غفلت عام ہوجاتی ہے اور خالق کی بجائے مخلوق سے اور اعمال کی بجائے مادی شکلوں سے کامیابی کا تصور اور یقین قلوب میں پیوست ہوجاتا ہے تو اللہ رب العزت محض اپنے لطف وکرم سے انسانوں کی ہدایت کا غیب سے انتظام فرماتے ہیں، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ زمانے کے کسی نیک وصالح انسان کو منتخب فرماکر اس پر ہدایت کے اصول اور طریقے الہام فرماکر ان کے استعمال کی شکلیں اس پر کھول دیتے ہیں۔ اور اپنی غیبی نصرت وتائید کو اس کے شاملِ حال فرمادیتے ہیں۔ سابقہ زمانے میں ایسے انسانوں کو نبی یا رسول کا لقب دیا جاتا رہا۔ لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایسے انسانوں کو مجدد یا امام کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔

چونکہ اس زمانے میں بھی گمراہی عام ہوچکی ہے اور مادی اسباب کو ارباب کا درجہ دیا جاچکا ہے اس لئے پھر اللہ کی رحمت وکرم کو جوش آیا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو منتخب فرماکر ان پر اس زمانے کی ہدایت کے اصول وطریقے منکشف فرمائے اور ہدایت کی اس محنت کا نام تبلیغی تحریک مشہور ہوگیا۔

حضرت مولانا اسے تحریکِ ایمان یا امت کی اصلاح کی محنت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ اس کے سارے اصول الہامی ہیں اور اس زمانے کے انسانوں کی ہدایت کو لئے ہوئے ہیں اس لئے امت کے تمام طبقات کا اس کام میں لگنا نہایت ضروری اور وقت کا اہم مطالبہ ہے۔ اس کے بنیادی اصولوں کو جاننا اور سمجھنا ہر کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں بہت سے مقامات کے حضرات نے بارہا مطالبہ کیا کہ تم ایسے اصولوں کو یکجا جمع کرو۔ اوّل اوّل تو اپنی بے علمی اور کمزوری

کی وجہ سے ہمت نہ کر سکا۔ لیکن جب خود نظام الدین کے بعض مخلص احباب نے بھی بار بار تقاضہ کیا اور ادھر حضرت مولانا محمد یوسف نوّر اللہ مرقدہٗ کے فراق نے دل کو بے چین کر دیا۔ اور قدرتِ خداوندی کہ آپ کے وصال کے بعد کام بہت بڑھنے لگا اور پرانے احباب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ دونوں بزرگوں (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہما) کے زمانوں کے طرز اور نہج کو جتنا بھی ہو سکے قلمبند کر دیا جائے۔ اگرچہ ان کے عہد کی فضا اور طرزِ زندگی کی تصویر کاغذ پر نہیں اتاری جا سکتی۔ اس کے لئے پرانوں کو تلاش کر کے ان کی صحبت اور اس عمل کی نقل و حرکت ہی سے رہنمائی ہو سکتی ہے تاہم کچھ خاکہ ضرور سامنے آئے گا جو نہ ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہوگا۔ انشاء اللہ۔ چنانچہ یہ چند صفحات جمع کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اگرچہ اپنے ضعف اور لاعلمی کی وجہ سے پورا پورا اظہار نہ کر سکا لیکن اہلِ فہم و بصیرت اگر بار بار مطالعہ فرمادیں گے تو کم سے کم چھ نمبروں اور بنیادی اصولوں کے بارے میں کافی رہبری مل جاوے گی۔

محمد عیسیٰ عفی عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغ کی ابتدا کیسے اور کہاں سے ہوئی

ان اوراق میں تبلیغی تحریک کب اور کیسے شروع ہوئی اس کا بیان کرنا مقصود ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے میواتیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی، جس کا تذکرہ حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت میں بھی مختصراً کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد صاحبؒ ابن مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ کے زمانے میں میواتی طلباء کثرت سے نظام الدین آکر تعلیم حاصل کرنے لگے اور حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میوات کے سفر بھی شروع کر دیے۔ حضرت مولانا موضع فیروز پور نمک تحصیل نوح ضلع گوڑگانوہ میں کثرت سے تشریف لے جاتے اور بعض اوقات ہفتہ عشرہ یعنی آٹھ آٹھ یوم اور دس دس یوم قیام فرماتے اور جمعہ کے دن نوح تشریف لے جاتے اور جمعہ کے بعد وعظ فرماتے۔ سنا ہے کہ آپ کا وعظ نہایت دلچسپ اور پر تاثیر تھا۔

اس سلسلہ کی وجہ سے میوات کے لوگوں میں دینداری کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ موضع فیروز پور نمک میں قاری حافظ محمد اسماعیل صاحب کی برکت سے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری تھا اور ان کی قرأت مشہور تھی۔ دور دور سے ان کو دعوت نامے آتے۔ دہلی کے لوگ بھی ان کے بہت معتقد تھے۔ اس لئے کثرت سے دہلی آمد و رفت رہتی تھی۔ ان کی اپنی اولاد ساری کی ساری تعلیم یافتہ تھی۔ ان کے بڑے لڑکے کا نام منشی احمد خاں تھا اور چھوٹے لڑکے کا نام منشی نور بخش تھا اور تیسرے لڑکے کا نام میر احمد تھا۔

منشی نور بخش صاحبؒ نے مولانا محمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت کا کرنا تھا کہ ان کا رنگ ہی بدل گیا اور ان کے دل میں مولانا کی

محبت کا ایسا غلبہ ہوا کہ دنیاوی مشاغل ترک کر کے ایک مدرسہ کھول لیا اور رات دن مدرسہ میں بچوں کی تعلیم اور مسجد میں عبادت میں مشغول رہتے اور کسی سے کچھ معاوضہ نہ لیتے تھے۔ ابتداء میں مسجد کچی تھی اور مدرسہ کا بھی معمولی مکان تھا لیکن منشی جی صاحب مرحوم نے اپنی سعی سے مسجد کو پختہ بنوایا اور مدرسہ کی عمارت بھی اپنی جیب خاص سے پختہ بنوائی اور مسجد کے برابر ایک پختہ حجرہ تعمیر کرایا۔ منشی جی مرحوم اس حجرہ میں تعلیم کے علاوہ کے اوقات میں دروازہ بند کر کے ذکر و وظائف اور عبادات میں مشغول رہتے۔ تقویٰ اس قدر تھا کہ بڑے بڑے علماء بھی آپ کا احترام کرتے اور بستی کے لوگ اس قدر ڈرتے تھے کہ اگر کسی ضرورت سے باہر نکلتے تو بعض لوگوں کا یہ حال ہو جاتا کہ رعب کی وجہ سے کانپنے لگ جاتے۔ بڑے بڑے چودھری ان سے بات کرتے ہوئے ڈرتے۔ حقہ چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور حقہ کو چھپا دیتے۔ ایک دفعہ کسی وجہ سے ایک آدمی سے ذرا غصہ سے بات کی تو اس کا پیشاب نکل گیا۔

لیکن بچوں سے بہت محبت و الفت فرماتے۔ مٹکوں میں مٹھائیاں رکھتے روزانہ ایک ایک لڈو تقسیم کرتے اور فرما دیتے کہ جو بچہ اپنے ساتھ جتنے بچے پڑھنے کو لاوے گا اسی کے بقدر گنتی سے لڈو ملیں گے۔ اس ترکیب سے بستی کے اکثر بچے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ بد دین سے بد دین لوگوں کے بچے بھی قرآن شریف اور اردو کی کتابیں پڑھ گئے۔

آپ قرآن شریف حفظ اور ناظرہ، اردو اور فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ اس زمانے میں اردو کا لٹریچر نہایت پاکیزہ اور باعثِ اصلاح تھا۔ اسی طرح فارسی کا حال تھا۔ ایمانیات اور اخلاقیات اور معاشرت کے اصلاحی مضامین کتابوں میں ہوتے تھے۔ آجکل کی طرح افسانے اور ناول اور عاشق و معشوق کے واقعات تعلیمی اور درسی کتابوں میں بالکل نہیں ہوتے تھے۔

منشی نور بخش صاحبؒ نے گاؤں کی بڑھتی ہوئی دینداری اور آبادی کی وجہ سے ایک دوسری مسجد گاؤں کی دوسری جانب تعمیر کرائی جو کہ پختہ بنوائی گئی تھی اور اب تک یہ دونوں مسجدیں موجود ہیں۔ چھوٹی بڑی

مسجد کے نام سے معروف ہیں۔ بڑی مسجد گاؤں کے شمالی جانب ہے اور چھوٹی مسجد جنوبی حصہ میں ہے۔ یہ مسجدیں منشی جی کی ہی تعمیر کرائی ہوئی ہیں۔
۱۹۴۴ء میں مسجد نور عرف بڑی مسجد کی توسیع کی گئی لیکن پرانی تعمیر کو جوں کا توں باقی رکھ کر مغربی جانب میں نئی تعمیر کی گئی ہے اور پرانی مسجد کی غربی دیوار میں تین دروازے نکال دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے نمازیوں کو بڑی راحت اور عافیت حاصل ہوگئی ہے اور باہر سے آنے والی جماعتوں کے لئے خاص طور سے بہت آرام ہوگیا ہے۔ اجتماع کرنے میں اور قیام میں ہر طرح سے آسانی پیدا ہوگئی ہے۔
ایک تیسری مسجد بھی گاؤں کے مغربی حصہ میں بنائی گئی ہے کیونکہ بستی کی آبادی بڑھتی جارہی ہے اور نمازیوں کی کثرت ہے۔ جس کی وجہ سے یہ تیسری مسجد بھی تعمیر کرنی پڑی۔ اس میں نمبردار محراب خاں صاحب مرحوم جو کہ منشی نور بخش صاحب مرحوم کے خاص شاگردوں میں سے تھے ان کی کوشش کو دخل ہے۔
منشی نور بخش صاحبؒ کی محنت و کوشش سے موضع فیروز پور نمک میں خصوصاً اور میوات کے بہت سے گانوؤں میں تعلیم اور دین کو فروغ ہوا۔ اور کئی بستیوں میں حافظ، قاری اور بعض بعض گانوؤں میں مولوی بھی بن گئے۔ فیروز پور نمک میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب اور حافظ خدا بخش صاحب، حافظ قاری عبدالرحیم صاحب مکمل اور جید حافظ تھے اور قرآن پاک ناظرہ اور اردو، فارسی کی تعلیم حاصل کرنے والوں کی خاصی تعداد ہوگئی۔ میوات کے ذمہ دار اور پرانے لوگوں کا بیان ہے کہ میوات کا اکثر تعلیم یافتہ طبقہ بلا واسطہ یا بالواسطہ منشی نور بخش مرحوم کا شاگرد ہے۔ چاہے وہ دیندار ہوں یا دنیادار۔
اور میوات میں سب سے پہلا مدرسہ فیروز پور نمک میں منشی جی مرحوم نے کھولا تھا۔ منشی جی مرحوم تنخواہ نہ لیتے تھے بلکہ مدرسہ کی عمارت بھی خود اپنے پیسے سے بنوائی تھی اور بچوں کو کتابیں، پارے اور قرآن شریف تک اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے مال اور جاہ اور ایمان و عمل کی دولت سے خوب نوازا تھا۔ دوسرے گانوؤں سے آنے والے

بچوں کو اپنے پاس رکھتے اور ان میں سے جو نادار بچے ہوتے ان کا خرچہ کھانے وغیرہ کا بھی اپنے پاس سے ہی کیا کرتے تھے۔

اس کی تحقیق نہ ہوسکی کہ منشی جی مرحوم کا تعلق مولانا محمد صاحبؒ سے کس طرح اور کہاں سے ہوا۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ چونکہ منشی جی نے تعلیم دہلی میں ہی حاصل کی تھی اور اس سبب سے دہلی آمد و رفت رہتی تھی اس لئے ہوسکتا ہے کہ نظام الدین بھی پہنچ گئے ہوں اور نظام الدین میں ہی حضرت مولانا محمد صاحبؒ سے بیعت کر لی ہو۔

بہرحال منشی جی میں دینی زندگی اور دینی شعور، دینی جذبہ، حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور تعلق کی ہی برکت کی پیداوار ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس سے پہلے منشی جی کی زندگی بہت ہی عیش اور ٹھاٹھ والی تھی۔ اعلیٰ قسم کی گھوڑی رکھتے، کانوں میں سونے کی مُرکی[1] اور گلے میں سونے کا پچمنیاں[2] اور توڑا[3] ہاتھوں میں، چاندی کے بانکڑے[4] پہنتے تھے۔

کل تین بھائی تھے۔ تینوں تعلیم یافتہ تھے اور منشی جی سب میں چھوٹے تھے اس لئے سارے خاندان اور بھائیوں کا پیار منشی جی پر تھا۔ منشی جی نے البتہ شراب کبھی نہیں پی۔ حالانکہ اس وقت میوات میں شراب کا دور دورہ تھا۔ خصوصاً بڑے لوگوں اور قوم کے چودھریوں کے لئے شراب ضروری سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باوجود بڑائی، مالداری اور چودھراہٹ کے منشی جی کو اس سے سخت نفرت تھی۔

جب حضرت مولانا محمدؒ صاحب سے منشی جی کا تعلق ہوا تو منشی جی نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں۔ آخر ایک دن ایسا بھی آگیا کہ حضرت مولاناؒ فیروز پور نمک تشریف لے گئے اور اس کے بعد تو یہ حال ہو گیا کہ اپنی حیات میں پتہ نہیں کتنی مرتبہ تشریف لائے اور ہر دفعہ ہفتہ عشرہ قیام فرمایا کرتے۔ اور اس قیام کے دوران وعظ و نصیحت اور

---

[1] سونے کی دوہری بالی [2] گلے کا ایک خاص قسم کا زیور [3] یہ گلے کا سنہری زیور۔ [4] آجکل صرف عورتیں رکھتی ہیں۔ پہلے مرد اور عورتیں سب پہنتے تھے لیکن بناوٹ میں فرق ہوتا تھا۔ مالدار لوگوں کے لیے یہ زیورات ضروری سمجھے جاتے تھے۔

مجلسیں جاری رہتی تھیں۔ بیعت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

حضرت مولاناؒ کے قیام اور منشی جی کی تعلیم و محنت سے علاقہ میوات میں دین کا میلان پیدا ہونے لگا اور بعض بعض بستیوں میں مساجد بھی بننے لگیں اور نمازی بھی دکھائی دینے لگے۔ میاںجی[1] بھی وجود میں آنے لگے۔ بعض حافظ بھی ہوئے اور بعض نے اپنے لڑکے نظام الدین اور دہلی بھی بھیجنے شروع کر دیے۔

خاص طور سے فیروز پور نمک میں نماز اور قرآن، اردو کی تعلیم عام ہوگئی تھی۔

مشیتِ خداوندی کہ مولاناؒ کا وصال ۱۳۴۴ھ میں ہوگیا (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اور منشی[2] جی بھی اس دنیائے فانی سے عالم بقاء کی طرف ۱۳۴۵ھ میں کوچ کر گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) اللہ رب العزت مرحومین کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین!

نظام الدینؒ میں مولانا کا نعم البدل اللہ رب العزت نے آپ کے بھائی حضرت مولانا محمد الیاس[3] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیج دیا۔ اور فیروز پور نمک میں منشی جی رحمۃ اللہ علیہ کا بدل ان کے صاحبزادہ حافظ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہمراہ منشی جیؒ کے شاگردوں کی ایک جماعت کو جوڑ دیا۔ جن میں سے حافظ محمد اسحاق رح۔ نمبردار محراب خاں رح۔ منشی امراؤ خاں رح۔ منشی نور علیؒ۔ حافظ عبد الرحمٰن رح۔ میاںجی سلیمان رح۔ خاص طور سے دین کا فکر رکھنے والے اور کوشش کرنے والے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ دوسرے حضرات بھی جڑے رہتے تھے۔ مزید اللہ کا فضل اور کرم یہ ہوا کہ ان حضرات کے زمانے میں ہی منشی نصر اللہ خاں ساکن نوح کو بسلسلۂ ملازمت پٹواری بنا کر فیروز پور نمک میں پہنچا دیا۔ آپ معہ بیوی بچوں کے فیروز پور نمک میں ہی رہنے لگے اور چونکہ خاندانی دین داری اور طبیعت میں نیکی کا جذبہ تھا

---

[1] یعنی قرآن اور اردو پڑھے ہوئے [2] لوگوں کا بیان ہے کہ چونکہ منشی جی کو حضرت مولانا سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا اس لئے مولانا کے وصال کا صدمہ ان سے برداشت نہ ہو سکا اور اسی صدمہ میں منشی جی کا انتقال ہوا [3] آپ کے بارے میں تفصیل حصہ ۲ میں مذکور ہے۔

اس لیے وہ بھی ان حضرات کے ساتھ جڑ گئے۔ چودھری نماز خاں ساکن رائسینہ بھی منشی جی کے شاگرد تھے۔ اور ان کی بہن کا رشتہ فیروز پور نمک میں ہو چکا تھا اس لیے وہ بھی اکثر یہاں ہی رہتے تھے۔

ان حضرات کو میں نے بچپن کے زمانے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ آپس میں ایسی محبت تھی کہ اکثر اکٹھا کھانا۔ سونا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا رہتا تھا اور باہر کا آدمی یہ گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ یہ مختلف خاندان یا مختلف بستیوں کے لوگ ہیں۔ عجیب محبتیں تھیں۔

منشی نور بخش مرحوم کی سعی اور برکت اور حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور دعا سے فیروز پور نمک میں اکثر مرد اور عورتیں نماز کے پابند بن گئے تھے۔ اور ان کی اولاد میں سے اکثر لڑکے اور لڑکیاں قرآن پاک اور اردو وغیرہ تک کی تعلیم بھی حاصل کر چکے تھے۔

ان دونوں حضرات کی وفات کے بعد منشی جی کے شاگردوں کی ایک جماعت کی شکل بن گئی اور یہ لوگ بستی میں گاہ بگاہ گشت کرتے اور لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں لاتے اور مستورات کو بھی تاکید کرتے رہتے۔

جب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نظام الدین تشریف لے آئے تو فیروز پور نمک والوں کی آمد و رفت نظام الدین ہونے لگی اور میوات سے وہ لوگ بھی گاہ بگاہ آتے رہتے تھے جو حضرت مولانا محمد صاحبؒ کے شاگرد تھے اور انھوں نے نظام الدین میں ہی تعلیم حاصل کی تھی۔

یہ آنے والے حضرات مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ سے میوات تشریف لانے کی درخواست کرتے رہتے۔

حضرت مولانا میں یہ خاص بات تھی کہ اپنے والد صاحب اور بھائی صاحب سے تعلق رکھنے والوں کا خاص لحاظ فرماتے۔ چاہے ان کا تعلق تعلیمی ہوتا یا اعتقادی یا تربیتی۔

حضرت نے لوگوں کے اصرار پر میوات کا ارادہ فرمالیا اور سب سے پہلے فیروز پور نمک تشریف لانے کا ارادہ فرمایا کیونکہ اس وقت

اہلِ میوات کے اکثر لوگوں کے دل میں فیروز پور نمک کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ اس پر سب راضی ہوگئے اور حضرت کی تشریف آوری پر قرب وجوار اور دور دور سے آکر لوگ جمع ہوگئے۔ حضرت نے ایک رات قیام فرمایا اور مختلف اوقات میں ارشادات اور وعظ ونصیحت جاری رکھا۔

اس طرح حضرت کا تعلق بڑھنے لگا اور حضرت کی آمد ورفت بھی ہونے لگی۔ ابتدار میں حضرت کی آمد زیادہ تر فیروز پور نمک اور نوح میں ہوئی۔ بعد میں دوسرے مقامات پر تشریف لے جانا ہوا۔

آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت کے دل میں امت کی اصلاح کا غم وفکر بڑھتا رہا جس کی تفصیل دوسرے حصہ میں ہے۔

آپ نے اصلاحی شکلوں میں سے تعلیم کو ترجیح دی اور اس کے لئے آپ نے قرآن پاک اور ابتدائی مسئلہ مسائل کی تعلیم کے لئے اردو کی کتابوں کی تعلیم کے مکاتب کھولنے شروع کئے۔ اس میں آپ کو بہت دقت اور مشقت بھی برداشت کرنی پڑی۔ لیکن آپ ہمت کے پہاڑ تھے۔ محنت جاری رکھی اور کام چل پڑا۔ لیکن پڑھنے والوں کی زندگی میں تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ ہی ہندوانہ لباس، زیور وغیرہ باقی رہے لیکن آپ مایوس نہ ہوئے۔ اس شکل کو جاری رکھتے ہوئے دوسری شکل واعظین کی اختیار کی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ عالم اور واعظ آپ نے حاصل کیے۔ ان کی تنخواہیں مقرر فرمائیں اور ان سے میوات میں دورے کرائے۔ یہ حضرات بستی میں پہنچتے لوگوں کو جمع کرتے اور وعظ فرماتے۔ وقتی طور سے لوگوں پر اثر ہوتا۔ کچھ نماز بھی پڑھ لیتے۔ یہ حضرات واپس آکر حضرت کو حالات سناتے۔ حضرت بہت خوش ہوتے اور قیاس کیا کرتے کہ اس سے اصلاح ہو سکے گی۔ لیکن جب حضرت نے انہی بستیوں کا دورہ کیا تو معاملہ صفر تھا۔ جیسا پہلے حال تھا وہ ہی پایا۔ اب حضرت فکرمند تھے کہ کیا شکل اختیار کی جاوے۔

اس طرح حضرت کی آمد ورفت میوات میں جاری ہوگئی اور اصلاح کا

لہ اس کی تفصیل دوسرے حصہ میں ہے۔

کا فکر و غم بڑھتا رہا۔ دوسری طرف شدھی کی تحریک چل پڑی۔ آگرہ کے قرب وجوار میں ملکانہ قوم سے اس کی ابتداء ہوئی۔ بہت سے لوگ مرتد ہونے شروع ہوگئے۔ کیوں کہ ملکانہ بھی شکل ولباس اور ناموں کے اعتبار سے ہندوؤں سے ملتے جلتے تھے۔ معاشرت بالکل ایک جیسی تھی۔ صرف نام کے مسلمان تھے نہ کلمہ جانتے تھے نہ نماز۔ اسلام کی کوئی بات بھی انکے کانوں تک نہ پہنچی تھی۔ جب شدھی کی تحریک شروع ہوئی اور لوگوں نے اور ان کے گروہ نے ان کو باپ دادا کا دین کفر و شرک بتلایا اور کہا کہ مسلمان بادشاہوں نے تمہارے باپ دادا کو زبردستی مسلمان بنالیا تھا ورنہ تمہاری ساری نسلیں ہندو تھیں۔ اب بھی کچھ فرق نہیں۔ تمہارے نام، لباس۔ معاشرت اور تیوہار وغیرہ سب ہم جیسے ہیں۔ صرف عیدین اور محرم تم مانتے ہو، اسے چھوڑ دو ہم تم بھائی بھائی ہیں۔ اس قسم کی بات سن کر یہ قوم مرتد ہونے لگی۔ سارے علماء متفکر تھے سب نے اپنی اپنی تدبیریں اختیار کیں اور کافی لوگوں کو ارتداد سے بچالیا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو میوات کا فکر ہوا کہ اس علاقہ کا حال بھی ملکانوں سے ملتا جلتا ہے اگر ان پر بھی ارتداد کی کوشش کی گئی تو بہت جلد مرتد ہونے کا خطرہ ہے۔ اس غم نے حضرت جی کو بے چین کر دیا۔ نیند[1] اڑ گئی۔ ہر وقت آہ آہ فرماتے اور رات رات بھر رو رو کر دعائیں مانگتے لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہ آتی۔ رواجی طریقوں کا تجربہ کر چکے تھے۔

ایک دفعہ فیروز پور نمک کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے[2] اور عرض کیا کہ حضرت آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاں ہفتوں قیام فرماتے تھے جس کی وجہ سے بستی میں دین کا چرچہ رہتا تھا اور منشی نور بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سعی سے بستی میں

---

[1] اس کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی۔ [2] ان لوگوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی اور نہ پورے نام معلوم ہوسکے۔ صرف حافظ محمد اسحاق رحمہ ابن منشی نور بخش رحمہ نمبردار محراب خاں، منشی نصر اللہ رحمہ کے نام کی تحقیق ہوسکی۔ بعض کہتے ہیں کہ منشی نور علی اور دوسرے حضرات بھی ساتھ تھے۔

دین کا علم اور عمل ترقی کر رہا تھا۔ لیکن اب یہ دونوں ہستیاں رحلت فرما چکیں اور آپ جب تشریف لاتے ہیں تو ایک رات یا ایک دن بمشکل ٹھہرتے ہیں اہل بستی پورا فیض حاصل نہیں کر پاتے اور دین میں ضعف پیدا ہونے لگا۔ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے چلیں اور ہفتہ عشرہ قیام فرماویں۔

حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو پوری میوات کا فکر ہے۔ صرف تمہاری بستی میں کیونکر قیام کروں۔ تم لوگ پڑھے لکھے ہو، تمہاری بستی میں دین کا کافی چرچہ ہے۔ تمہارے ہاں مدرسہ بھی ہے۔ تم خود کوشش کرتے رہو۔ گاہ بگاہ میں بھی آتا رہوں گا۔

لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کوشش تو کرتے رہتے ہیں لیکن ہماری کوشش میں اثر نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کیا کوشش کرتے ہو؟ عرض کیا کہ حضرت ہم بچوں کو مدرسہ میں داخل کراتے ہیں۔ بڑوں کو گشت کرکے نماز کو لاتے ہیں۔

حضرت جیؒ نے جب گشت کا نام سنا تو ساونٹے سے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا گشت کیا ہوتا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا کہ ہم جماعت بنا کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں نماز کی ترغیب دیتے ہیں اور مسجد کو لاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے فرمایا کہ تمہارے گشت کو ہم ضرور دیکھیں گے۔ یہ بتاؤ کونسے دن گشت کرتے ہو میں اس دن حاضر ہو جاؤں گا۔ عرض کیا کہ حضرت کوئی دن مقرر نہیں۔ جب ضرورت محسوس کرتے ہیں اسی دن ۵ پانچ سات آدمی مل کر گشت کر لیتے ہیں۔ آپ ہی فرمائیں کہ کونسے دن تشریف لائیں گے ہم اسی دن گشت کریں گے۔ دن مقرر ہو گیا۔ لوگ خوشی خوشی واپس ہوئے۔ اہل بستی کو حضرت کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا۔ عید کے چاند کا سا انتظار ہونے لگا۔ ایک ایک دن بھاری ہو گیا۔ خدا خدا کر کے مقررہ دن آیا۔ لوگ دن بھر ایک سڑک[1] پر پڑے

---

[1] فیروز پور نمک دو سڑکوں کے درمیان ہے۔ ایک پلول سے آتی ہے دوسری دہلی سے گوڑگانوہ ہو کر اوڈکو جاتی ہے اور فیروز پور نمک سے تین فرلانگ آگے اور نوح سے تقریباً سوا میل پہلے دونوں ایک ہو جاتی ہیں۔

رہے۔ لیکن حضرت دوسری سڑک سے سیدھے نوح تشریف لے گئے۔ عصر کے وقت لوگوں نے مشورہ کیا کہ حضرت تو تشریف نہیں لائے اب کیا کرنا چاہیئے۔ خیال ہوا کہ کہیں دوسری سڑک سے سیدھے نوح تو نہیں چلے گئے اور ادھر سے بستی کو نہ پہچان سکے ہوں۔ اس پر مشورہ کرتے ڈیڑھ آدمی نوح کو بھیجے اور تاکید کر دی کہ اگر حضرت مل جاویں تو ایک آدمی فوراً آجاوے ہم بہلی[1] اور رتھ لے کر آجاویں گے اور اگر نہ آئے ہوں تو دونوں واپس آکر خبر دیں تاکہ دوبارہ دہلی نظام الدین جا کر تحقیقِ حال کی جا سکے۔

یہ دونوں جب نوح[2] پہنچے تو حضرت جامع مسجد نوح میں تشریف فرما تھے جب حضرت نے ان دونوں کو دیکھا تو فرمایا۔ بھائی ہم تو فیروزپور نمک کو پہچان نہیں سکے اور یہاں آپہنچے۔ انھوں نے بستی کے انتظار کا حال بیان کیا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

حضرت نے فرمایا میں تو تیار ہوں۔ میرا مقصد تو فیروز پور نمک ہی آنا تھا یہاں تو غلطی سے پہنچ گیا۔ لیکن نوح والوں نے اصرار کیا اور ان حضرات کی خوشامد کی کہ آج یہاں ہی رہنے دو۔ صبح ہم خود پہنچا دیں گے۔ آخرکار یہ لوگ بھی راضی ہو گئے اور دونوں نے آکر بستی والوں کو پورا حال بتا دیا۔ دوسرے دن صبح صبح بستی کے بہت سے لوگ بہلیاں اور رتھ لے کر پہنچ گئے جن میں حضرت جی، اور نوح کے حضرات سوار ہو کر فیروز پور نمک آگئے۔

حضرت[3] کو گشت دیکھنے کا اس قدر تقاضہ تھا کہ بار بار فرماتے رہے کہ بھائی گشت کر دو لیکن لوگوں کو خطرہ تھا کہ حضرت گشت دیکھتے ہی واپس ہو جاویں گے اس لئے وقت کو ٹالتے رہے اور مغرب کے بعد

---

[1] بہلی اور رتھ سہولت کی اعلیٰ سواریاں تھیں جو بہت خوبصورت بنی ہوتی تھیں [2] نوح میں بھی حاجی عبدالغفور صاحب خاں محمد صاحب ولد منشی بشیر احمد صاحب، منشی شبیر صاحب بہت سے لوگ حضرت کے بڑے معتقد تھے۔

[3] یہ بات تقریباً ۱۹۶۲ء کی ہو گی۔

گشت کیا۔ حضرت ساتھ ساتھ پھرتے رہے اور وہ لوگ اپنے طریقے سے گشت کرتے رہے۔ کئی بے نمازیوں کو مسجد پہنچایا۔

حضرت بہت خوش ہوئے اور عشاء کی نماز کے بعد بیان فرمایا: بیان کے بعد خواص کو بٹھا کر فرمایا کہ ہمیں تمہارا گشت بہت پسند آیا۔ لیکن میں چند اصلاح کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ اسی طریقہ سے دوسری بستیوں میں جاکر بھی گشت کیا کرو اور وہ اصلاح یہ ہے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیا کرو۔ اور ایک بات کرنے والا مقرر کرلیا کرو، باقی سب ذکر کرتے رہیں۔

شروع میں تو لوگوں نے دوسری بستیوں میں جانے سے انکار کیا لیکن حضرت کی ترغیب اور اصرار پر وعدہ کرلیا۔ حضرت نے بہت دعا دی۔ یہ لوگ گشت میں صرف نماز کو کہتے تھے۔ حضرت نے فرمایا: لوگوں کا کلمہ بھی سنا کرو۔ گویا شروع میں یہ دو نمبر قرار پائے۔ ایک کلمہ دوسرے نماز۔

یہ لوگ کبھی کبھار قرب وجوار میں بھی جاتے رہے لیکن کوئی خاص ترتیب یا دن مقرر نہ تھا۔ کبھی چندینی کبھی اڈبر کبھی گھاسیڑہ وغیرہ ان کے گشتوں کا میدان تھا۔

ایک[1] دفعہ حضرت جی فیروز پور نمک تشریف لائے ایک دن یا دو دن قیام فرمایا اور گشتوں کی بہت تعریف فرماتے رہے اور فرمایا کیا ہی اچھا ہو کہ تم لوگ جماعت بنا کر بستی در بستی کلمہ اور نماز کی دعوت دینے لگو۔ مجھے تمہارا کام بہت ہی پسند ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمہارے کام سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اگر آج ہی ایک جماعت بنا کر میرے سامنے ہی چلدو تو میں بھی تمہارے کام میں شریک ہوجاؤں۔ پھر بہت دیر تک فضائل اور ثواب واجر بیان فرماتے رہے۔ اور آخر میں شکیل شروع کردی۔ حضرت کی ترغیب اور توجہ اور فرمان پر ایک مختصر سی جماعت بن گئی۔ جس میں چھ نفر تھے۔ حافظ محمد اسحاق بن نور بخش رح۔ نمبردار محراب خاں رح

[1] یہ واقعہ تقریباً ۱۹۳۶ء کا ہے۔

چودھری نماز خاں اور تین بچے جن کی عمر تقریباً بارہ تیرہ سال ہوگی۔ ان میں ایک کا نام عبدالغفور[1] بتایا جاتا ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور اس جماعت کا نظام سفر بنایا اور فرمایا کہ آنے والے جمعہ کو قصبہ سہنہ[2] میں پڑھنا۔ لیکن اس جمعہ پر میں نہ آسکوں گا۔ کیونکہ میں اس جمعہ کا دوسری جگہ وعدہ کر چکا ہوں۔ ہاں اگر تم ہمت کر لو اور اس سے اگلے جمعہ تک نظام اور بنالو تو مجھے اطلاع کر دینا کہ ہم جمعہ فلاں جگہ پڑھیں گے تو میں پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس جمعہ پر میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ تمہاری خوشی پر موقوف ہے۔ میں اصرار نہیں کرتا۔

اس کے بعد[3] جماعت کو بہت خوشی کے ساتھ اور بہت دعاؤں کے بعد روانہ کیا۔ حضرت پر انتہائی بشاشت اور آپ کو انتہائی مسرت تھی۔

یہ جماعت گھاسیڑہ ہوتے ہوئے کام کرتی ہوئی جمعہ کو جب سہنہ[4] پہنچی تو جمعہ کی نماز کے بعد سب کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ حضرت جیؒ نے جس طرح دعاؤں کے ساتھ روانہ کیا ہے اس طرح آپ کی دعائیں لے کر ہی ہمیں لوٹنا چاہیئے۔ اس جذبہ نے ایسا غلبہ قلوب میں پیدا کیا کہ سب نے طے کر لیا کہ اگلے جمعہ تک کا نظام اور بنا لیا جاوے اور حضرت کو اطلاع کر دیں تاکہ آپ اپنے وعدہ کے مطابق تشریف لاکر ہمیں دعائیں دے کر واپس کر دیں۔ چنانچہ آپس کے مشورہ سے قصبہ تاؤڑو میں جمعہ پڑھنا طے کر لیا اور

---

[1] یہ وہ ہی عبدالغفور ہیں جو حضرت جیؒ کے خاص شاگرد اور بڑے جید عالم اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن مدظلہٗ کے ساتھی تھے۔ اور آخر میں مدرسہ معین الاسلام نوح کے صدر مدرسین مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں نوح میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] حضرت مولانا انعام الحسن مدظلہٗ نے ایک دفعہ اہل عرب کے سامنے فرمایا کہ پہلی جماعت فیروز پور تک سے ہی نکلی تھی اور اس کی روانگی میں میں بھی شریک تھا لیکن حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس جماعت میں تین افراد تھے لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بڑی عمر کے تین ہی حضرات تھے۔

[3] سہنہ تک جماعت کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

حضرت جیؒ کو اطلاع[1] دے دی۔ سہنہ سے کام کرتی ہوئی اور کلمہ نماز کی دعوت دیتی ہوئی یہ جماعت جمعہ کو تاؤڑو پہنچی۔ وہاں جمعہ سے پہلے گشت کیا اور حضرت جیؒ کی آمد کی لوگوں کو اطلاع دی۔ لوگ بہت خوش ہوئے تاؤڑو میں ایک محلہ قصائیوں کا تھا اور ان کی آمد و رفت کلکتہ کو رہتی تھی۔ اس زمانے میں کلکتہ میں دین کی ایسی فضا تھی کہ جو بیوپاری وہاں آتے جاتے تھے وہ دیندار اور نمازی بن جاتے تھے۔ چنانچہ تاؤڑو کے قصائیوں میں دین کا جذبہ، نمازوں کا رواج اور بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی اور اس جماعت کے اکثر حضرات سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس لئے انھوں نے کھانے کا اصرار کیا اور تعلقات کی بنا پر جماعت کو کھانے کی دعوت قبول کرنی پڑی ورنہ سارے سفر میں اپنا ہی کھاتے پیتے رہے اور کسی کی دعوت قبول نہ کی۔ حالانکہ بہت سی بستی والوں نے کھانے کا اصرار بھی کیا لیکن یہ حضرات فرماتے تھے کہ ہمیں شرم آئی کہ لوگوں کو دین کی دعوت دے کر ان کا ہی کھانا کھائیں۔ گویا یہ بھی ایک مشکل سوال کی بن جاتی ہے۔

قصائیوں نے بہت پرتکلف دعوت کی۔ نماز جمعہ کے بعد معہ حضرت جیؒ کے کھانا کھانا طے پایا۔ جمعہ سے پہلے ہی حضرت ایک کار میں جو کہ دلین کی شکل کی تھی پہنچے اور آپ کے ساتھ دہلی کے تجار بھی تھے اور دو دیگیں، ایک میں زردہ اور ایک میں پلاؤ، ہمراہ لائے۔ قصائیوں کو اس پر صدمہ ہوا کہ حضرت جی کھانا کیوں لائے۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ بھائی ہمیں تمہاری دعوت منظور ہے۔ ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ یہ کھانا بھی تمہارا ہی ہے اسے اپنے گھر لے جاؤ۔ ہم تمہارا کھانا کھائیں گے اور یہ کھانا تم بھی کھانا اور قرب وجوار سے آنے والوں کو بھی کھلانا۔ اسمیں کیا حرج ہے۔ وہ لوگ خوش ہو گئے۔

---

[1] اطلاع کس طرح دی۔ آدمی بھیج کر یا خط لکھ کر۔ میں اس کی تحقیق نہ کر سکا کیوں کہ اب اس جماعت کا ایک فرد بھی زندہ نہیں۔

جمعہ کے بعد حضرت جیؒ نے بیان فرمایا۔ بہت لوگ جمع ہو گئے تھے جماعت کی بہت تعریف کی اور سب کو اس کام کے کرنے اور اس میں نکلنے کی دعوت دی۔ لوگوں نے وعدے کئے۔ حضرت جیؒ بہت ہی خوش ہوئے۔

تبلیغی سلسلہ کی یہ پہلی جماعت تھی۔ حضرت جیؒ نے بہت دعاؤں کے بعد اس کو واپس کیا اور آئندہ اس کام کو جاری رکھنے کا وعدہ کرایا۔ مزید تفصیل دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت کا انتظام ہر زمانے میں جاری رکھا ہے۔ اور اپنی حکمت اور اپنے علم کے ماتحت کبھی قوم در قوم کبھی قبیلہ در قبیلہ اس کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہدایت کی محنت کرنے والوں کو اللہ رب العزت نے انبیاء کے نام سے یا رسل کے نام سے موسوم فرمایا۔ اور جس قوم کے لئے جن اصولوں کو اللہ رب العزت نے مناسب سمجھا وہ ہی اصول محنت کرنے والوں کو بذریعہ وحی یا الہام عطا فرماتے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا انتخاب بھی اللہ رب العزت نے خود ہی فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا کہ ہر زمانے میں خاندانوں یا قوموں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتے رہے۔ اس کی حکمت اور مصلحت اللہ رب العزت کے علم میں ہے کہ خاندانی قبیلہ جاتی اور قومی تقسیم کی کیا وجہ تھی۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر سابقہ ترتیب کو ختم فرما کر پورے انسانوں اور قیامت تک کے زمانوں کے لئے آقائے نامدار سرورِ کائنات سردارِ انبیاء امام الرسل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول بنا کر ہدایت کا ہادی اور امام قرار دے دیا اور یہ فیصلہ فرما دیا کہ اب صرف وہ ہی انسان ہدایت حاصل کر سکیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کریں گے۔ اس کے علاوہ سب گمراہ قرار دیے جاویں گے۔ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ اس میں کسی رائے۔ عقل۔ علم۔ بڑائی اور کثرت و قلت کو دخل نہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی امت (آپ پر ایمان لانے والے) بھی مبعوث کی گئی۔ یعنی منتخب کی گئی یعنی چن لی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ یعنی اے امت محمدیہ! تم بہترین امت

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

ہو اور تم کو چن لیا گیا ہے لوگوں کی بھلائی کے لیے اور یہ کہ حکم کرو نیکی کا اور روکو برائی سے اور ایمان رکھو اللہ پر۔

فائدہ :- ایمان رکھو سے مراد یہ ہے کہ جب تم اس کام کو کرو گے تو اللہ رب العزت تمہیں دنیا و آخرت میں کامیاب کر دیں گے اور فرمایا۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ ؕ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

یعنی کہدو (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) میرا مقصد یہ ہے کہ بلاتا ہوں (لوگوں کو) اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں بھی بلاتا ہوں اور میری اتباع کرنے والے (مجھ پر ایمان لانے والے) بھی اس کام کو کریں گے۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ پورے انسانوں اور قیامت تک کے زمانوں کے لئے ہادی ہیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ آپ کی حیات صرف تریسٹھ سال کی تھی۔ جب آپ قیامت تک کے لئے نبی ہیں تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ والے کام کو کون انجام دے گا؟ اس کا جواب بھی قرآن اور حدیث میں ہی ملتا ہے۔ اور اس کا عملی ثبوت حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود محنت فرما کر جو امت پیدا کی وہ یہ ہی مبارک جماعت ہے اور یہ ہی قیامت تک کی امت کے لیے حقیقتاً نمونہ ہے اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں اور ان کو کس کس طرح ادا کرنا ہے۔

لیکن اللہ رب العزت کے کرم اور شفقت کے قربان جائیے کہ اس کے باوجود بھی اللہ رب العزت ہر زمانے میں امت کی رہبری فرماتے رہے۔ جہاں اور جس علاقہ میں امت پر کسی بنیادی مسئلہ میں خامی یا گراوٹ محسوس کی فوراً اپنے مقبول بندوں میں کسی کو منتخب فرما کر اس کے قلب پر

بذریعہ الہام یا انام اس کے رفع ہونے اور صحیح راستہ چالو ہونے کے اصول القاء فرمادیے اور غیبی شکلوں سے اس محبوب بندے کو متوجہ فرماتے رہے کہ اس کام کو کرو۔ تاکہ امت صحیح راستہ پر آجائے۔ اس کی تفصیل "تاریخ دعوت وعزیمت" مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہ کی کتاب میں ملاحظہ فرماویں۔ ان اوراق میں اس کی گنجائش نہیں۔

اللہ رب العزت کا دائمی قاعدۂ کلیہ ہے کہ اگر مرض کسی قوم یا علاقہ سے متعلق ہے تو اسی کے مناسب انتظام اور اصول کی شکل کو منکشف فرمایا گیا اور اگر مرض عام ہے تو پھر عمومی نفع دینے والے اصول اور طریقے عطا کئے گئے۔

چونکہ اس زمانے میں ایمان وعمل کی لائن میں امت عمومی طور سے بگاڑ میں مبتلا ہو چکی تھی اور جن قوموں اور انسانوں کی معمولی مشابہت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے ڈرایا اور دھمکایا تھا۔ اور بڑے بڑے عذابوں کی خبر دی تھی۔ آج امت انہی قوموں کی مشابہت تو درکنار بلکہ ان کی پیروی میں ہی اپنی فلاح اور کامیابی یقین کرنے لگی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو امت کے لیڈر بے باکانہ بیکار اور دقیانوسی یا یہ کہ گدھے خچروں کے زمانے کے دیے کہہ کر دھجی اڑاتے ہوں اور غیروں کی پیروی اور نقل اتارنے میں فخر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت میں ذلت محسوس کرنے لگے ہوں تو پھر گمراہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا تو سوال ہی کیا رہ گیا اب تو خود اس امت مسلمہ کی بھی کشتی گمراہی کے سمندر میں ڈوبی جارہی ہے۔ ایسے وقت میں اللہ رب العزت کا کرم پھر جوش میں آیا اور اس زمانے کی عمومی گمراہی کو ہدایت پر لانے کے اصول وطریقے اپنے ایک برگزیدہ اور صالح بندے یعنی حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر بذریعہ الہام یا انام کے منکشف فرمائے اس کی تفصیل دوسرے حصہ میں گذر چکی یہاں اختصار مقصود ہے اس لئے حضرت مولانا کے بارے میں معتبر اور مستند اکابر علماء کے اقوال لکھ کر چھ نمبروں کی تفصیل شروع کردوں گا۔

اللہ رب العزت جس سے ہدایت کا کام لینا چاہتے ہیں اس میں ابتداء ہی سے ایسی خصلتیں اور اوصاف پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ اپنے ہم عمروں میں نرالا محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ ہی بات انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ملتی ہے اور یہ ہی چیز اس امت کے رہبروں اور داعیوں میں پائی جاتی ہے یہاں صرف حضرت مولانا کا تذکرہ ہی مقصود ہے اس لیے آپ کے بارے میں چند واقعات لکھتا ہوں۔

اوّل حضرت[1] شیخ الہند مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہٗ نے بچپن میں آپ کو دیکھا تو فرمایا "الیاس میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے۔"

دوسرے "امی جی" جو کہ خاندان مشائخ کاندھلہ کی بہت بڑی عابدہ زاہدہ اور باکرامت نیک وصالح عورت تھیں اور ان کا تذکرہ "مشائخ کاندھلہ" میں ہے حضرت مولانا بچپن کے زمانے میں جب آپ کے قریب کہیں ہوتے تو فرماتے کیا الیاس اختر آگیا۔ "مجھے اس میں سے صحابہ کی بو آتی ہے۔"

آپ آخری عمر میں نابینا ہو گئی تھیں اس لئے دکھائی نہ دیتا تھا۔ حضرت کو خوشبو سے ہی پہچان لیتی تھیں۔ دوسرے بچوں کو کسی دوسرے سے یا خود اس بچے سے معلوم کر کے پہچانتی تھیں۔

تیسرے جب حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ نے تبلیغی کام شروع کیا اور میوات والوں کو گھروں سے نکال کر جماعتیں بنا بنا کر یوپی کے علاقہ میں روانہ کرنی شروع کیں تو اکثر علماء میں تذکرے شروع ہو گئے کہ یہ کیا ہے؟ مولانا نے کیا شروع کر دیا۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے کانوں میں جب یہ خبریں پہنچیں تو آپ گھبرا گئے اور فرمایا کہ لوگ تو علماء کی بات بھی قبول کرنے کو آمادہ نہیں۔ یہ میوات کے ان پڑھ لوگ کیا تبلیغ کریں گے۔ یہ تبلیغ نہیں بلکہ دین میں ایک نیا فتنہ ہے۔ یا "امت میں ایک نیا فتنہ" فرمایا۔

حضرت جیؒ نے دوسرے علماء کے فرمان بھی سنے۔ حضرت تھانوی

---

[1] حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ سے بارہا سنا اور کسی کتاب میں دیکھنا بھی یاد پڑتا ہے۔ انشاء اللہ تلاش کر کے اس کا حوالہ بھی دوں گا۔ "مشائخ کاندھلہ" ایک کتاب کا نام ہے۔

نور اللہ مرقدہٗ کا فرمان بھی سُنا لیکن کسی قسم کا جواب نہ دیا۔ نہ زبانی نہ تحریری۔ وقت کا انتظار فرماتے رہے۔

حضرت جیؒ ۱۹۳۳ء میں سردیوں کے موسم میں میوات سے دوسو ڈھائی سو کے قریب دو ماہ کے لئے لوگوں کو نکال کر دہلی لائے جماعتیں بنائیں۔ علاقے تجویز کیے۔ اور حضرت[1] شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے دہلی کی شاہ جہانی مسجد عرف جامع مسجد سے جماعتوں کو ہدایات دلا کر دعا کرا کر روانہ کرایا۔ کچھ جماعتیں کرنال، پانی پت کی طرف روانہ کیں۔ کچھ سہارنپور کے اطراف میں اور کچھ کاندھلہ کے چاروں طرف کے علاقہ میں روانہ کیں۔

وقت پورے ہونے پر ہر ایک کے لیے کوئی مقام طے کر دیا کہ وہاں سب جمع ہو جانا میں آکر واپسی کی باتیں سمجھا کر اور مصافحہ کر کے چھٹی دے دوں گا۔

کاندھلہ کے اطراف کی جماعتوں کو آخری وقت میں کاندھلہ میں ہی جمع ہونے کو فرمایا۔

وہ ایام بھی آگئے کہ جماعتوں کا وقت پورا ہو گیا۔ یہ لوگ جو کہ کاندھلہ کے اطراف میں بھیجے گئے تھے کاندھلہ میں جمع ہو گئے۔ حضرت تشریف لائے بہت ہی مسرور اور مگن تھے۔ اپنے خاندان والوں سے کہہ کہہ کر پر تکلف دعوتیں کھلائیں اور ان کے کام کو خوب سراہا۔ پھر فرمایا کہ:۔

دوستو! تم کل ساٹھ آدمی ہو۔ اپنے میں سے صرف آٹھ آدمی آٹھ یا دس دن کے لئے مجھے ایسے دے دو کہ میں جہاں ان کو بھیجوں وہاں

---

[1] حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے جماعتوں کو ہدایت فرماتے ہوئے جوش بیان میں فرمایا کہ یہ وہ کام ہے کہ اس سے باطل ختم ہوگا اور انگریزوں کی حکومت ہندوستان سے مٹ جائیگی اور اس لال قلعہ پر یہ جھنڈا جو لہرا رہا ہے سرنگوں ہوگا۔ انشاء اللہ! حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ لال قلعہ کا جھنڈا بغیر کسی ظاہری سبب کے گر گیا۔ جامع مسجد اس وقت بھری ہوئی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر سب نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ حضرت شیخ الاسلام نے ڈانٹ کر فرمایا کہ آج لوگ اپنے سارے جوش کو نعروں میں ختم کر دیتے ہیں۔ میں ایک عمل کو بتلا رہا ہوں اس کو سمجھو۔

چلے جاویں۔ لیکن سب کو گھر کا شوق اس قدر تھا کہ کوئی بھی نہ بولا۔ آپ دو دن تک ترغیب دیتے رہے۔ کبھی حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب ترغیب دیتے کبھی آپ دیتے۔ دوسرے یا تیسرے دن بندہ نے عرض کیا کہ حضرت میں تیار ہوں۔ حضرت بہت خوش ہوتے گلے سے لگا لیا۔ خوب دعائیں دیں۔ پھر حضرت نے سارے احباب کو متوجہ کر کے فرمایا کہ یہ بچہ[1] تیار ہے۔ کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ عمر میں تم سے کم اور حوصلہ میں سب سے بلند۔

اس کے بعد نمبر دار محراب خاں صاحبؒ فیروز پور نمک۔ منشی نصر اللہ صاحبؒ نوح۔ حافظ عبد الرحمٰن صاحب فیروز پور نمک۔ حاجی سعد اللہ صاحبؒ رائنیہ۔ مولوی ابراہیم صاحب شاماکا۔ عبد اللہ سقہ فیروز پور نمک نے بھی ارادہ فرمالیا۔ ایک لڑکا فیروز پور نمک کا اور بھی تھا جس کے بارے میں صحیح یاد نہیں آرہا کہ کونسا تھا۔ غالب گمان حسن خاں کا ہے۔

یہ کل آٹھ نفر کی جماعت تھی۔ منشی نصر اللہ صاحب کو امیر مقرر فرمایا اور نمبر دار محراب خاں کو ذمہ دار قرار دے کر حضرت نے بہت دعاؤں کے ساتھ اس مختصر سی جماعت کو مندرجہ ذیل ہدایتیں دے کر روانہ فرمایا۔

روانگی کی ہدایتیں از حضرت مولاناؒ :-

وقت گذارنے کے اصول اور اعمال بتلانے کے بعد فرمایا تمہاری جماعت کو تھانہ بھون بھیجا جا رہا ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے تھانہ بھون کے قرب وجوار میں کام کرتے رہنا اور اس قدر محنت کرنا کہ حضرت تھانویؒ تک تمہاری محنت کے تذکرے پہنچنے لگیں۔ یہاں تک کہ آپ کی طرف سے تمہاری جماعت کے تھانہ بھون پہنچنے کا حکم آجائے۔

قرب وجوار میں صرف آٹھ یوم کام کرنا۔ اگر اس عرصہ میں حضرت کا پیغام مل جائے تو تھانہ بھون چلے جانا

[1] بندہ کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔

اور پیغام نہ پہنچے تو واپس نظام الدین آجانا۔

اگر پیغام مل جائے تو بہت استغفار کرتے ہوئے اللہ سے دعائیں مانگتے ہوئے سیدھے حضرت کی خانقاہ میں پہنچ جانا اور بہت ہی آداب و احترام کے ساتھ داخل ہونا۔ جب حضرت تمہیں بلا کر کام کے بارے میں پوچھیں تو صحیح صحیح اور صاف صاف مختصر الفاظ میں کام کے اصول اور طریقے عرض کر دینا۔ کسی بات میں جھجکنا اور ڈرنا مت۔

اگر حضرت دریافت کریں کہ کتنے دن ٹھہروگے تو عرض کرنا کہ تین یوم۔ اس کے بعد اگر حضرت زیادہ ٹھہرنے کو فرماویں تو عرض کر دینا کہ جتنا حضرت فرمادیں اسی قدر ٹھہرنے کو ہم تیار ہیں۔

کھانے کے بارے میں دریافت کریں تو صاف عرض کر دینا کہ اپنا پکاتے ہیں۔ اگر حضرت کھانا کھلاویں تو بہت ہی شوق اور رغبت کے ساتھ قبول کر لینا کہ بزرگوں کے سوکھے ٹکڑے بھی بڑی بڑی نعمتوں سے بہتر ہیں۔

روانگی کی ہدایات اور نصائح کے بعد دعا فرمائی۔ جس میں آپ پر اس قدر گریہ تھا کہ سارا مجمع بھی روتا رہا۔ اس سب سے فراغت کے بعد جماعت کو روانہ فرمایا۔ کاندھلہ سے باہر دور تک آپ ساتھ چلتے رہے اور یہ آپ کا معمول تھا کہ جماعت روانہ کرتے وقت دور تک پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے۔ چلتے چلتے بھی نصائح فرماتے رہے۔ ایک طرف آپ پر انتہائی مسرت کے آثار اور اسی میں کبھی کبھی اس قدر فکر اور بوجھ محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے بدن مبارک میں تھرتھری پیدا ہو جاتی۔ الغرض جماعت کو دور تک پہنچا کر آپ لوٹے اور مڑ مڑ کر بار بار آپ دیکھتے جاتے اور کاندھلہ کی طرف چلتے جاتے۔ یہ ہی حال جماعت کا رہا۔

چونکہ آپ نے قیام کے مقامات طے نہیں فرمائے تھے اور

فرمادیا تھا جہاں مناسب سمجھو ٹھہر جانا۔ سفر پیدل تھا۔ مغرب کے وقت شاملی پہنچے۔ سردی کا موسم تھا اس لئے ساتھیوں کا مشورہ شاملی ہی میں قیام کرنے کا ہو گیا۔ وہاں گشت کیا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ مختصر سی بات رکھی تشکیل بھی کی۔ مقامی کام کرنے کے لئے جماعت بن گئی۔ رات گذار کر صبح پھر چل دیے۔ کہاں جاویں۔ سمجھ کام نہیں کرتی تھی۔ چلتے چلتے بمقام کیرانہ پہنچے وہیں ٹھہرنا طے ہو گیا۔ مسجد میں داخل ہوئے۔ عصر کا وقت قریب تھا۔ وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر تحیۃ المسجد پڑھی۔ مشورہ کیا کہ اذان لگ گئی۔ امام صاحب سے ملاقات کی۔ آنے کی غرض سامنے رکھی۔ امام صاحب خاموش رہے۔ مسجد میں اہل حدیث حضرات کا غلبہ تھا اس لئے نماز جلدی ہی ہو گئی۔ نماز کے بعد ایک صاحب نے امام صاحب سے پوچھا۔ یہ بسترے کیسے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ایک جماعت ہے جو نظام الدین سے آئی ہے اور میوات کے لوگ ہیں۔ کڑک کر کہا۔ کیسی جماعت؟ کیوں آئی ہے؟ کیا کرے گی؟ یہاں ضرورت نہیں۔ ان سے کہدو یہاں سے چلے جاویں۔

ان باتوں کو سن کر جماعت سہم گئی۔ دل ہی دل میں دعا کرتی رہی۔ اشاروں ہی اشاروں میں امیر صاحب سے مشورہ کرتے رہے کہ امیر صاحب اُٹھے۔ ان صاحب سے مصافحہ کیا اور اپنا مقصد بیان کیا اور بتایا کہ ہم گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں لاتے ہیں کلمہ سکھاتے ہیں، نماز کو سکھاتے ہیں اور اپنا پکا کر کھاتے ہیں۔ تو بمشکل اس پر راضی ہوئے کہ گشت و بیان کی اجازت ہے۔ قیام کہیں اور جگہ کرنا۔

خدا کا شکر ادا کیا بعد میں امام صاحب سے تحقیق کیا کہ یہ کون صاحب تھے تو فرمایا کہ یہ نواب محمد عثمان خاں ہیں اور یہ چار بھائی ہیں۔ ان میں سے دو اہلحدیث ہیں اور دو حنفی ہیں اور یہ سب سے بڑے ہیں۔ سارے بھائی ان کا اکرام اور احترام کرتے ہیں۔ نیک ہیں۔ دیندار ہیں اور صوم و صلوٰۃ کے چاروں بھائی پابند ہیں۔ ان کے پچاس گاؤں ہیں اور نواب محمد عثمان خاں کے ذمہ ہی سارا نظام ہے۔ محمد عثمان خاں صاحب سے چھوٹے بھائی کا نام یاد نہیں۔ تیسرے بھائی عبدالحمید خاں اور سب سے

چھوٹے عبدالمجید خاں ہیں۔ یہ دونوں حنفی ہیں اور حضرت تھانوی سے بیعت ہیں۔

عشاء سے پہلے گشت کیا۔ بستی کے لوگوں میں سے بھی ہمراہ تھے۔ بے نمازیوں کی اکثریت تھی۔ لیکن ذرا سمجھانے اور ایمان و نماز کی بات سننے سے لوگ مسجد کو آتے رہے اور جس مسجد میں مغرب کی نماز میں ایک صف بھی بمشکل ہوئی تھی عشاء میں مسجد کے اندر اور مسجد کے صحن میں جگہ بھی نہ مل سکی۔ راستے اور چوپال[1] کے اندر ماہر سب بھر گئے۔

عشاء کی نماز ادا کی۔ دعا کے بعد اعلان ہوا۔ اور سارا مجمع بیٹھ گیا۔ منشی نصراللہ صاحب نے بیان کیا۔ آخر میں اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی۔ بہت سے لوگوں نے ارادے کیے۔ پھر دعا کی۔

نواب محمد عثمان خاں صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرات میری خطا کو معاف فرمادیں۔ مجھے تمہارا کام بہت پسند آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں ہمارے سارے گانوؤں کے کاشتکار نمازی بن جاویں۔ لیکن ہماری کوئی کوشش کارگر نہ ہو سکی۔ آپ والی شکل بہت ہی مؤثر ہے اس لیے آپ یہاں ہی قیام فرمائیں۔ میں خود اور میرے بھائیوں یا ہمارے لڑکوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کے ہر وقت ساتھ رہے گا۔ اور کھانے کا آپ فکر نہ کرنا اس کا انتظام ہم کریں گے۔

جماعت نے کھانے سے تو معذرت کر دی۔ صرف ایک وقت کی دعوت ان حضرات کے اصرار کی وجہ سے قبول کی۔ آٹھ دن کا نظام بنایا اور اس چھوٹی سی ریاست میں گاؤں گاؤں پھر کر کام کرتے رہے۔ ہر بستی میں مسجدیں بھر گئیں۔

نواب عبدالحمید خاں اور ان کے بھائی کا معمول تھا کہ دونوں میں ایک روزانہ تھانہ بھون جائے اور حضرت کی مجلسوں میں شرکت کرے اس لیے یہ حضرات جماعت کی کارگذاری حضرت کو سناتے رہے اور ادھر ہم سے بھی حضرت کے تاثرات کا ذکر کرتے رہے اور فرمایا کرتے کہ

[1] مسجد کے برابر ہی چوپال تھی۔

حضرت تمہارے کام سے بہت ہی خوش ہیں۔

یہ جماعت جمعہ شاملی میں پڑھ کر اسی دن کیرٹی پہنچ گئی تھی اور ہفتہ کو جمعرات تک کا نظام بن گیا تھا۔

جمعرات کی شب میں نواب عبدالحمید خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت نے فرمایا کہ جماعت سے کہنا کہ جمعہ تھانہ بھون آکر پڑھے۔

حضرت جی کے فرمان کی وجہ سے جماعت کو انتظار تھا کہ وہ مبارک دن کب آئے گا کہ حضرت تھانوی کا حکم آئے اور ہم تھانہ بھون حاضر ہوں۔ چنانچہ نواب صاحب کا پیغام کیا تھا گویا عید کے چاند کی اطلاع مل گئی۔

رات گذارنی بھاری ہوگئی۔ اکثر نے نماز۔ تلاوت اور ذکر میں رات گذاری اور فجر کی نماز کے بعد ہی روانگی کی تیاری میں لگ گئے۔ آج سورج نے نکلنے میں بھی اپنا ناز دکھایا۔ خدا خدا کر کے اشراق کا وقت ہوا اور نماز اشراق ادا کرتے ہی جماعت تھانہ بھون کو روانہ ہوگئی۔ سب ساتھیوں کو اس قدر خوشی تھی کہ شوق میں پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے۔ صبح صبح ہی تھانہ بھون میں سیدھے خانقاہ امدادیہ والی مسجد میں پہنچ گئے۔

حضرت کے خدام منتظر تھے۔ ہاتھوں ہاتھ جماعت کو لیا۔ شمالی جانب مدرسہ میں سامان رکھوایا۔ ڈھیلہ۔ استنجا خانہ۔ غسل خانہ وغیرہ بتلائے اور فرمایا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو جاؤ۔ نماز جمعہ کے بعد حضرت سے ملاقات ہوگی۔ اتنے میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ العالی تشریف لے آئے۔ آپ کو ہم پہچانتے تھے کیونکہ آپ کی میوات اور نظام الدین تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ آپ نے جماعت کو بٹھایا اور رہنے سہنے اور کام کرنے کے اصول معلوم کئے۔ امیر صاحب اور نمبردار محراب خاں صاحب نے سارے اصول عرض کر دیے۔ آپ نے فرمایا کہ بعینہٖ حضرت کے سامنے بتا دینا اگر تم کچھ بھول جاؤ گے تو میں یاد دہانی کرادوں گا اور آپ نے حضرت کی خدمت میں حاضری کے آداب اور اصول بھی بتلا دیے پھر تشریف لے گئے۔ جماعت اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ

ہو کر مسجد میں اگلی صف میں جگہ لے کر نماز و تلاوت میں مشغول ہو گئی۔
جمعہ کی اذان ہوئی۔ لوگ آنے شروع ہوئے۔ مسجد بھر گئی۔ حضرت بھی تشریف لائے۔ جماعت پر ایک نظر ڈالی اور منبر پر تشریف لے گئے۔ مؤذن نے خطبہ کی اذان دی اور حضرت نے خطبہ اور نماز جمعہ پڑھائی۔

نماز سے فراغت کے بعد کوئی صاحب آئے اور فرمایا کہ جماعت کو حضرت یاد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ جماعت حاضرِ خدمت ہو گئی۔ حضرت مصافحہ کرتے رہے اور اپنے بائیں جانب[1] بیٹھنے کا اشارا فرماتے رہے۔ جب مصافحہ سے فارغ ہو گئے اور جماعت بیٹھ گئی تو حضرت نے پہلے خیریت معلوم کی۔ اور پھر کام کے اصول اور طریقے اور رہنے سہنے کا نظام معلوم کیا۔ امیر جماعت نے سب عرض کر دیا جس میں یہ بھی بتلا دیا کہ ہم اپنا کھانا کھاتے ہیں اور یہ کہ کسی ایک نماز سے پہلے گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں لا کر کلمہ و نماز کی اہمیت اور ضرورت بیان کر کے ان کے سیکھنے کے لئے وقت فارغ کرنے کو کہتے ہیں جسے ہم تشکیل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

قیام کے بارے میں حضرت نے دریافت کیا۔ تو امیر صاحب نے عرض کیا کہ اس بارے میں مقامی[2] حضرات کے مشورے سے جو طے ہو جاوے وہاں قیام کر لیتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کا قیام مولوی نصیر احمد صاحب کی کوٹھی[3] میں تجویز ہوا ہے۔ اور کام کے بارے میں مولوی ظفر احمد صاحب تجویز ہوئے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ رہیں گے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب

---

[1] یہ جگہ مخصوص مہمانوں کے لیے مقرر تھی اور جس کو حضرت بٹھاتے وہ ہی بیٹھ سکتا تھا۔ دوسرے حضرات سامنے یا دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے۔ [2] ابتدا میں یہ ہی اصول تھا کہ مسجد میں قیام کرنے کو نہ کہا جاوے کیوں کہ اس کو لوگ معیوب سمجھتے تھے۔
[3] یہ کوٹھی حضرت کی مسجد کے بالکل قریب تھی۔

کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جماعت کو ساتھ لے کر عصر کی نماز فلاں مسجد اور مغرب کی فلاں میں اور عشاء کی جامع مسجد میں پڑھنا۔ اور ان کے کام کو اچھی طرح دیکھنا اور سمجھنا اور کل صبح نماز کے بعد معہ جماعت کے میرے پاس یہاں آکر کارگذاری سنانا۔

حضرت کی مجلس کے ختم پر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب جماعت کو لے کر نظام کے مطابق مسجد میں گئے اور راستے میں فرماتے جارہے تھے کہ تمہارا یہاں آنا ہماری سمجھ میں تو آیا نہیں لیکن حضرت سے استفادہ واستفاضہ حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا کہ اتنے میں مقررہ مسجد آگئی اور گشت شروع کر دیا۔ حضرت مولانا رہبری فرمارہے تھے پہلے پہل ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا اور حضرت مولانا اسے خوب پہچانتے تھے۔ جماعت کے متکلم نے سلام کیا، سلام ومصافحہ کے بعد ایمان کی باتیں کی اور کلمہ طیبہ پڑھنے کو عرض کیا۔ وہ صاحب پہلے تو شرمائے لیکن حضرت کے فرمانے سے انھوں نے کلمہ پڑھا۔ کلمہ میں کئی غلطیاں نکلیں۔ جماعت کے متکلم نے ہمت افزائی کرتے ہوئے یاد کرنے اور عصر کی نماز کو مسجد میں ادا کرنے کی درخواست کی، وہ ساتھ ہوگئے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ گشت ہوا تھا کہ بہت سے بے نمازی ملے جو سمجھانے سے مسجد میں آگئے۔ اور بہت سے لوگوں کو کلمہ بالکل یاد نہیں تھا اور اکثر کی غلطیاں نکلیں۔ یہ حال دیکھ کر حضرت مولانا سہم گئے اور شرم سی چھاگئی۔ اس مسجد میں نماز اور بیان سے جب فارغ ہوگئے تو مولانا نے دوسری مسجد کی راہ لی۔ جماعت سے پوچھا ہی نہیں، جماعت ساتھ ہولی۔ دوسری مسجد میں مغرب سے پہلے گشت اور نماز کے بعد بیان ہوا پھر حضرت مولانا جامع مسجد لے گئے۔ وہاں بھی عشاء سے قبل گشت اور عشاء کے بعد بیان ہوا۔ جماعت کے آدمی نے تقریباً پونہ گھنٹہ بیان کیا لیکن مجمع اس قدر تھا کہ جامع مسجد اندر اور باہر سے بھری ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگوں کا بیان تھا کہ اس مسجد میں جمعہ کے دن بھی کبھی اتنے لوگ جمع نہ ہوسکے۔ مجمع میں قصبہ کا حال سامنے

آیا کہ تقریباً ستر پچھتر فیصدی بے نمازی ہیں۔ یہ بھی میں ڈرتے ہوئے لکھ رہا ہوں، ورنہ بے نمازیوں کی تعداد کی نسبت اس سے بھی زیادہ تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب سے نہ رہا گیا اور فرمانے لگے کہ اگر تم لوگ اجازت دو تو میں کچھ کہہ لوں۔

جماعت نے بخوشی منظور کر لیا بلکہ عرض کیا کہ حضرت ہم تو حکماً بیان کرتے رہے ورنہ اصل بیان ہر جگہ آپ کا ہی ہونا چاہیے تھا۔ حضرت نے بیان شروع کیا تقریباً ڈھائی گھنٹہ بیان فرمایا اور اہل قصبہ کو خوب شرم دلائی اور اپنا زعم ظاہر فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ جب کہ تھانہ بھون سے آج پورے ہند کے لوگ فیض حاصل کرنے یہاں آرہے ہیں تو تھانہ بھون تو سب دیندار اور نمازی اور بہت ترقی پذیر ہوگا۔ لیکن آج تم نے ہماری ناک کٹوادی کہ یہ میوات کے ان پڑھ لوگ یہاں آکر تم کو کلمہ صحیح کرا رہے ہیں اور مسجدوں میں پہنچا رہے ہیں، حضرت جب یہ سنیں گے تو کس قدر غم ہوگا۔

حضرت مولانا کے بیان کی وجہ سے رات کے بارہ بج گئے تھے، دوکانیں بند ہو چکیں۔ جماعت دن بھر کی مشغولی اور حضرت مولانا کی ہمرکابی کی وجہ سے کچھ پکا نہ سکی۔ اور بھوک کا یہ حال کہ گویا آج ہی سب دنوں کی جمع ہو کر لگ گئی ہے۔ حضرت مولانا آگے آگے جماعت پیچھے پیچھے چلتی رہی اور خاموشی سے چپکے چپکے مشورہ کر کے دو آدمی بازار بھیجدیے کہ کسی طرح کچھ نہ کچھ لے کر آویں۔ چاہے چنے ہی مل جاویں۔ بہت سے لوگ ساتھ لگ گئے تھے دو آدمیوں کے نکل جانے سے کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور مولوی نصیر احمد صاحب کی کوٹھی پر پہنچا کر حضرت مولانا اپنے گھر اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ یہ دو آدمی بازار گھومتے رہے کچھ نہ ملا۔ پھر ایک بھڑبھونجا (یعنی چنا بھوننے والا) کے گھر کا اندازہ کر کے کہ وہ کالا ہو رہا تھا دھوئیں کے اثرات چاروں طرف دیوار اور چھپر پر نمودار تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا پہلے تو وہ چور سمجھا اور شور کرنے کا ارادہ کیا، جب ان لوگوں نے بیڑی کے ذریعہ اپنے کو دکھایا اور بتلایا کہ

ہم چور نہیں ہیں۔ جماعت والے ہیں شاید تم نے بھی دن کو گشت کرتے دیکھا ہوگا۔ اس نے اقرار کیا اور اسے تسلی ہوگئی۔ دو آبہ میں یہ دستور تھا کہ چنے والا گڑ بھی رکھتا تھا اس لیے ان دونوں نے بھنے ہوئے چنے اور گڑ خرید لیے اور اسے پیسہ دے کر کوٹھی پر آگئے۔ جماعت خوش ہوگئی کہ کوٹھی میں سناٹا تھا۔ کسی فرد کا پتہ نہیں صرف دربان باہر کے دروازے میں گہری نیند میں خراٹے بھر رہا تھا پھر بھی احتیاطاً کھڑکی اور دروازے بند کرکے آہستہ آہستہ چنے چبا کر سو گئے اور امیر صاحب نے تاکید کر دی کہ کسی سے تذکرہ تک نہ کرنا کہ آج رات میں ہم نے چنے چبائے تھے۔

تہجد میں سب اُٹھے۔ کوٹھی میں ہی نوافل اور ذکر جہری باتسبیحات اور تلاوت سے فراغت حاصل کرکے فجر کی نماز حضرت تھانوی رح کے پیچھے مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد حضرتؒ نے فوراً جماعت کو بلایا جماعت حاضر ہوئی اور دوسرے حضرات بھی آکر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اس کام کو کیسا پایا۔ حضرت مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور قصبہ کا حال اور جماعت کے ذریعہ نفع کی شکل بیان فرمائی۔ پھر حضرت نے جماعت سے دریافت فرمایا کہ رات کیسی گذری۔ عرض کیا کہ حضرت بہت اچھی گذری۔ ہر طرح سے آرام پایا۔ حضرت نے پھر اہل مجلس سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے کہ ان کو اس وقت چائے پلائے۔ مولوی نصیر احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اجازت ہو جائے۔ فرمایا خالص چائے نہیں کچھ اور بھی اس کے ساتھ ہو۔ وہ تشریف لے گئے اور تھوڑے عرصہ کے بعد ایک دیگچی چائے کی بھری ہوئی اور ایک ٹوکرا بسکٹ تازہ تازہ لے کر آئے اور دس بارہ چینی کے بڑے بڑے پیالے حضرت نے فرمایا۔ بھر بھر کر دو اور دسترخوان بچھا کر سارے بسکٹ ان کے سامنے ڈالدو تاکہ خوب سیر ہو کر کھالیں۔ چنانچہ پیالے بھر بھر کر ہر ایک کے سامنے رکھے گئے اور بسکٹ بھی پھیلا دئے گئے۔ لیکن جماعت والوں نے ہاتھ نہ لگایا۔ حضرت بار بار فرماتے رہے اور جماعت والے خاموشی سے سنتے رہے۔ حضرت سمجھ گئے اور فرمایا بھائیو! مجھ سے

غلطی ہوگئی میں بالکل بھول گیا تمہارا تو اصول ہی ہے کہ اپنا کھاتے ہو اور میں خود بھی اصولی آدمی ہوں اور اصولوں کی پابندی کو لازمی سمجھتا ہوں۔ یہ بہت ہی پسندیدہ صفت ہے کہ تم نے اپنے اصولوں کی پابندی کی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ مولوی الیاسؒ نے دعوت قبول کرنے کا بھی کوئی اصول بتلایا ہے یا صرف انکار ہی انکار کا اصول رکھا ہے۔ جماعت والوں نے عرض کیا: حضرت دعوت قبول کرنے کا بھی اصول بتلایا ہے۔

حضرت: "اس کی کیا صورت ہے؟"

امیر جماعت: "جس کام کے لیے ہم نے گھر چھوڑا ہے وہ بھی اس میں وقت لگانے کے ارادے سے نکل جانے کا نقد ارادہ کرے۔"

حضرت: "کتنا وقت تم لوگ مانگتے ہو؟"

امیر جماعت: "تین چلے۔"

حضرت: "اگر کوئی تین چلے نہ دے سکے تو؟"

امیر جماعت: "ایک چلہ دے دے۔"

حضرت: "اگر ایک چلہ بھی نہ دے سکے تو؟"

امیر جماعت: "بیس یوم کو نکل جائے۔"

حضرت: "اچھا کم سے کم کتنے وقت دینے پر دعوت قبول کر لیتے ہو؟"

امیر جماعت: "تین یوم ہمارے ساتھ رہنے پر۔"

حضرت: "اگر کوئی اتنا بھی وقت نہ لگا سکے تو؟"

امیر جماعت: "آخری حد یہ ہے کہ چوبیس گھنٹہ ہمارے ساتھ رہے۔"

حضرت: "اگر یہ بھی نہ ہو سکے اور وہ معذور ہو تو؟"

امیر جماعت: "پھر ہم اس کے عذر کو دیکھیں گے اگر وہ واقعی شرعاً معذور ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ عذر کے ختم ہونے پر نکلنے کا پختہ وعدہ اور ارادہ کرے اور اس وقت تک اس کام کے لیے دل سے دعا کرتا رہے۔"

حضرت یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ لوگوں کی دعوت کروں۔ لیکن میں اس قدر معذور ہو چکا ہوں کہ

گھر سے مسجد تک آنے جانے میں بھی دقت ہوتی ہے۔ اگر آپ حضرات کے نزدیک میرا یہ عذر قبول ہو تو میری دعوت قبول کر لو۔ ورنہ میں بخوشی اس پر راضی ہوں کہ تم بے جھجک انکار کر دو۔

یہ سن کر پوری جماعت رونے لگی اور امیر صاحب نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت جیؒ نے ہم کو یہ اصول بتایا ہے کہ اہل اللہ کی دعوت بے عذر قبول کر لینا کیوں کہ ان کے دسترخوان کے سوکھے ٹکڑے بھی دنیا کی بڑی بڑی نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اور اللہ کا شکر ادا کرنا کہ زہے قسمت کہ اللہ نے اپنے ولی کے دسترخوان پر کھانے کا موقع عنایت فرمایا۔ اور اسے بزرگوں کی شفقت اور کرم یقین کرنا۔

اسے سن کر حضرت باغ باغ ہو گئے اور ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور بار بار فرماتے رہے "مولانا الیاسؒ نے یاس کو آس سے بدل دیا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ یہ چائے اور بسکٹ میرے عزیز مولوی نصیر صاحب کی طرف سے ہے اور میں ان کی سفارش کرتا ہوں کہ تم اسے قبول کر لو۔ اور چار وقت کھانے کی دعوت میری طرف سے قبول کر لو۔ دو دوپہر دو شام۔ ناشتہ میں تمہیں اختیار ہے کہ اپنا کرو یا کسی دوسرے کا اپنی شرائط کے ماتحت قبول کر لو۔

پھر اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ حضرات صحابہ کیسے تھے تو ان لوگوں کو دیکھ لو۔

پھر فرمایا کہ ایک بات رہ گئی۔ وہ یہ کہ تھانہ بھون میں کتنے دن قیام رہے گا؟ امیر جماعت نے عرض کیا کہ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ تین دن تھانہ بھون میں ٹھہرنا لیکن اگر حضرت کی طرف سے زیادہ دن ٹھہرنے کا حکم ہو تو پھر جتنا حضرت فرماویں اتنے دن ٹھہرنا۔

حضرت اس کو سن کر اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس قصبہ میں باون ۵۲ مسجدیں ہیں اس لئے کم سے کم آٹھ یوم کا قیام چاہتا ہوں۔ جماعت نے بخوشی منظور کر لیا اور حضرت نے بہت دعائیں دیں۔ اور

فرمایا کہ اللہ رب العزت جس سے جو کام چاہیں لے لیتے ہیں۔ یہ کام مولانا الیاسؒ کے حصہ میں آیا۔ یہ بہت ہی اونچا کام ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کام سے امت کو نفع ہوگا۔ اللہ اسے قبول فرمادیں۔ اور اس میں برکت فرمادیں۔ اور اپنی تائید و نصرت کو شامل حال فرمادیں اور شرور اور فتن سے حفاظت فرمادیں۔

حضرتؒ نے مولانا ظفر احمد صاحب سے فرمایا کہ اس جماعت کا آٹھ دن کا نظام بنادو اور خود بھی ان کی نصرت کرتے رہنا۔ اور اہلِ مجلس سے فرمایا تم سب لوگ بھی ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے کی کوشش کرتے رہنا۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے مسجدوں کی ترتیب دی اور گشت و تعلیم کے اوقات مقرر کئے۔ آٹھ دن تک قصبہ میں محنت ہوتی رہی اور ہر طرف چلت پھرت چہل پہل نظر آنے لگی۔ حضرت نے ایک وقت اپنی حاضری کا مقرر فرمایا تھا۔ اس میں کارگذاری سنتے اور خوب دعائیں دیتے رہے۔ آٹھ دن کے بعد جب واپسی کے ارادے سے دعا کی خاطر حاضر ہوئے تو فرمایا جی تو بھرا نہیں۔ لیکن بھائی تم لوگ بھی اہلِ ضرورت ہو۔ گھر کے تقاضے تمہارے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں اس لئے خوشی سے اجازت دیتا ہوں لیکن واپسی میں رام پور منیہاران میں بھی قیام کرتے ہوئے جائیں تو بہت اچھا ہے کہ وہاں میرے خاص لوگ ہیں اور وہاں کو کئی خصوصیتیں حاصل ہیں۔ جماعت نے وعدہ کرلیا اور حضرت نے بہت دعاؤں کے بعد جماعت کو روانہ کیا۔ رامپور منیہاران میں دو دن کام کرکے جماعت نظام الدین آگئی۔

ایک دفعہ حضرت (مولانا محمد زکریا) شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور دامت برکاتہٗ نے فرمایا کہ تبلیغ کو میرے چچا جان نے شروع کیا۔ میں بے عذران کے ساتھ اجتماعاتِ میوات میں شرکت بھی کرتا رہا۔ اور اگر مشورہ لیتے تو جم کر دیتا رہا۔ اور کس کس طرح چچا جان نے مجھے سمجھایا اور فرمایا کہ تجھے بھی اس کام کے بارے میں شرح صدر ہے یا نہیں۔ لیکن

مجھے شرح صدر نہیں ہوا۔ اسی طرح میرے بھائی اور داماد مولوی یوسفؒ کے ساتھ معاملہ رہا۔ اور ان کی ہر طرح کی اعانت اور تائید کرتا رہا اور اللہ کی بارگاہ میں بھی دعا کرتا رہا لیکن شرح صدر نہ ہوا۔

کام پھیلتا رہا۔ ہر طرف سے جماعتیں آنے لگیں۔ بزرگوں کی تائید ہونے لگی۔ لیکن میرا وہ ہی حال کہ شرح صدر نہ ہوا۔ میں پریشان تھا کہ یا اللہ میں کیا فیصلہ کروں۔ کام بظاہر بہت نافع معلوم ہو رہا ہے اور اس کے منافع ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن مجھے کیا ہوا کہ دل میں آتا ہی نہیں۔ پھر ایک واقعہ بیان کیا کہ:-

ایک زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر غیر مقلدیت کا غلبہ ہوا۔ آپ اللہ رب العزت کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوئے تو آواز آئی یا جو بھی شکل ہوئی کہ اے ولی اللہ! ہماری حمایت تو حنفیت کے ساتھ ہے۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ تبلیغ کے بارے میں مجھے بھی بتایا گیا کہ ہماری حمایت تو تبلیغ کے ساتھ ہے۔

اس سب سے یہ بتانا مراد ہے کہ تبلیغی محنت من گھڑت اور کسی شخص یا جماعت کی اپنی اختراع نہیں بلکہ امت کی عام بے دینی اور باطل طریقوں میں کامیابی کے ذہن کو حق کی طرف بدلنے اور صحیح راستے پر لانے کے لیے اللہ رب العزت نے اپنی عادت جاریہ کے تحت اس محنت کو ظاہر فرمایا اور اس کام کو لینے کے لئے خود اللہ رب العزت نے ہی محض اپنے لطف وکرم اور اُمت پر شفقت کے تحت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ کو انتخاب فرمایا اور اللہ نے ہی حضرت مولانا پر ایسے اصول اور طریقے منکشف فرمائے جو اس زمانے کی بے دینی اور گمراہی کا علاج بن سکیں اور یہ اصول سراسر قرآن وحدیث کی روشنی اپنے اندر لیے ہوئے ہوں۔

"موجودہ پستی کا واحد علاج"[1] میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تبلیغی کام اور اس کی تائید اور حضرت مولانا محمد الیاس

---

[1] یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس کو حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب نے لکھا ہے اور حضرت جیؒ نے اس کو پسند فرما کر ابتدا میں جماعتوں کی تعلیم کے لئے تجویز فرمایا تھا۔

رحمۃ اللہ علیہ کی محنت موجودہ زمانے کے لحاظ سے سامنے آجاتے۔ سو وہ اس مضمون سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس زمانے میں امت کی اصلاح و ہدایت کی محنت کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو روز ازل میں ہی چن لیا تھا۔ اور آپ کے اندر ابتداء ہی سے اسکی روح ڈالی گئی تھی۔ تب ہی تو آپ میں سے اہل بصیرت صحابہ کی بو محسوس کرتے تھے کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ "اس بچے میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے"۔ اور حضرت امی جی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے بھی بچپن میں ہی فرمایا تھا کہ "الیاس میں سے مجھے صحابہ کی بو آتی ہے۔ مثل مشہور ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات"۔ اسی طرح اللہ نے جو کام آپ کو عطا فرمایا اور آپ نے جب اس کو شروع کیا تو کسی بزرگ اور بڑے عالم اور فقیہہ نے جب کام کو دیکھا تو بے اختیار زبان سے یہ ہی نکلا کہ اس کام میں روحانیت ہے۔ اس کے ساتھ تائید غیبی ہے اور اس سے امت کو نفع ہوگا۔ اور اب جب کہ یہ کام ملک اور غیر ممالک میں پہنچ چکا اور ہو رہا ہے اب تو سب کو یقین ہو گیا کہ اس کام سے بہتر امت کی اصلاح کے لئے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اگلے صفحوں میں اس کام کے بنیادی اصولوں کو پیش کر رہا ہوں۔ ان کو ملاحظہ فرمادیں۔

تبلیغی محنت کے بنیادی اصول

جو کام بھی دنیا میں کیا جاتا ہے اس کے اصول وضوابط بھی متعین کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ کام جماعتی ہے تو جماعت کے اہل فہم اور اہل الرائے مل کر بیٹھتے ہیں اور سوچ وفکر اور غور وتدبیر کے بعد اصول وضوابط مرتب کرتے ہیں اور ان کو مشتہر کرتے ہیں۔ اگر فرد شروع کرتا ہے تو وہ اپنی فہم اور تدبر سے اصول وضوابط متعین کرتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

یہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے اللہ رب العزت نے بھی اپنے دین کے اصول وضوابط زمانے کے اعتبار سے ان حضرات پر منکشف فرمائے جن سے کام لینا چاہا۔ اس کی لمبی تاریخ ہے۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں۔ اسی ضابطہ اور قانون کے تحت اس زمانے کے اعتبار سے اللہ رب العزت نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر اصولوں کو منکشف فرمایا۔ جن میں اہم اور ضروری مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱ چھ نمبر۔ کلمہ۔ نماز۔ علم و ذکر۔ اکرام مسلم۔ تصحیح نیت۔ اور تبلیغ۔
۲ ترک لایعنی۔
۳ تفریغ اوقات یا نفر فی سبیل اللہ۔
۴ موقعہ شناسی مردم شناسی۔
۵ اختلافی مسائل سے اجتناب۔
۶ چندہ اور مال کے حصول کی شکلوں سے اجتناب۔
۷ جوش وہوش۔
۸ بے غرض ہو کر کرنا۔
۹ اپنے اوپر اپنا مال لگانا۔
۱۰ ہجرت ونصرت۔
۱۱ معروف کی دعوت دینا منکر کو نہ چھیڑنا۔

۱۲ امت کی بے دینی کا غم اور امت پر شفقت۔
۱۳ امیر کا انتخاب اور اطاعتِ امیر۔
۱۴ اجتماع کو باقی رکھنا، افتراق سے بچنا۔
۱۵ دُعا۔

حضرت مولانا نے تبلیغی محنت کو مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق جاری کرنے کی سعی فرمائی۔ اور اس کی تاکید فرماتے تھے کہ اس کام کو میری طرف بالکل منسوب نہ کیا جاوے بلکہ یہ کام پوری امت کا فریضہ ہے۔ میں تو صرف یاد دہانی کرا رہا ہوں اور فرماتے تھے کہ اس کے اصول میں نے خود اپنے ارادے اور فہم سے نہیں بنائے بلکہ مجھے عطا فرمائے گئے ہیں اور مجھے حکم ہوا کہ ان کے مطابق کام کرو۔

آپ نے کام کی ابتداء صرف کلمہ، نماز سے کی تھی کہ کلمہ سیکھو اور سکھاؤ۔ اور نماز پڑھو اور پڑھاؤ۔ اس کی طرف متوجہ فرما کر لوگوں کو نکالتے تھے اور نکلنے والوں میں ایک امیر اور ایک معلم مقرر فرما کر کلمہ نماز کی دعوت دینے کی تاکید فرماتے رہے۔ جب کام شروع ہو گیا اور جماعت نکلنے لگی تو آپ نے علم و ذکر کو بڑھا دیا۔ اس کے تھوڑے دن بعد اکرام علماء کو بھی فرمانے لگے۔ بلکہ اس پر بہت ہی زور دینے لگے کیونکہ اس زمانے میں علماء کی توہین اور سب و شتم بہت کی جا رہی تھی۔ آپ کو اس سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ اسکی وجہ سے اکرام علماء کو شروع کرایا۔ آپ کے آخری حج تک انہی چار نمبروں کے مطابق کام ہوتا رہا۔ جب آپ آخری حج کر کے واپس ہوئے تو آپ نے چھ نمبر اور مندرجہ بالا اصول کھول کھول کر بیان کرنے شروع کئے۔

اول۔ چھ نمبر:۔ ۱۔ کلمہ۔ ۲۔ نماز۔ ۳۔ علم و ذکر۔ ۴۔ اکرامِ مسلم۔ ۵۔ تصحیحِ نیت۔ ۶۔ تبلیغ۔

یہ چھ باتیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ان کا عامل بن جائے تو پوری زندگی صحیح ہو جاوے۔ کلمہ سے روح بنے گی۔ نماز سے جسم بنے گا۔ علم و ذکر کی مثال دو بازوؤں کی ہے جس طرح کہ پرندے کے دو بازو ہیں۔ گویا علم و ذکر سے ایمان و عمل والے بازو تیار ہوں گے اور اکرام کے نمبر کے

ذریعہ پر یا لباس تیار ہوگا۔ تصحیح نیت سے قوت پرواز پیدا ہوگی۔ اور تبلیغ پاور یا اسٹیم یا غذا کا کام دے گی۔ بس آدمی میں جب روحانی قوت اور جسمانی طاقت مکمل ہوگی اور اس کے اس طاقتور جسم میں پرواز کرنیوالے بازو بھی ہوں گے اور پروں والے لباس سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوگا اور قوتِ پرواز بھی ہوگی اور اس کی اسٹیم یا غذا بھی اس کو ملتی رہیگی تو پھر اس آدمی کی پرواز کا مقابلہ نہ پرندے کرسکتے ہیں اور نہ ہوائی جہاز اور نہ راکٹ کرسکتے ہیں اور نہ آئندہ ایجاد ہونے والی تیز سے تیز پرواز کرنے والی شکلیں کرسکیں گی۔ یہ آدمی عزت کی لائن میں بھی سب سے بڑھ چڑھ کر رہے گا اور بلندی میں بھی سب سے اوپر ہوگا اور ترقی میں بھی سب سے آگے رہے گا اس لئے ان چھ نمبروں والی زندگی بنانے میں ہر قسم اور ہر لائن کی کامیابی ایسی یقینی ہے جیسا کہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کی روشنی یقینی ہوتی ہے۔ تبلیغ میں اسی زندگی کے حاصل کرنے کی آواز لگائی جارہی ہے خدا کرے ہماری سمجھ میں یہ بات آجاوے اور ہم اس کی محنت کے لئے آمادہ ہوجاویں۔ اگلے صفحات میں چھ نمبروں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔ ان کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

چھ نمبروں کا پہلا رخ

اوّل نمبر ــــ کلمہ طیبہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کلمہ طیبہ کے فضائل

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔

(س ابراہیم ع ۴)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی اچھی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی کہ وہ مانند ایک عمدہ اور پاکیزہ درخت کے ہے۔ جس کی جڑ زمین کے اندر تک گڑی ہوئی ہوں اور اسکی شاخیں آسمانوں میں پہنچی ہوئی ہوں اور وہ درخت اللہ کے حکم سے ہر موسم میں پھل دیتا ہے۔ اللہ رب العزت مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ سمجھدار انسان حقیقت کو سمجھ جاویں۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ شہادت اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مراد ہے۔ جس کی جڑ مومن کے قلب میں ہے اور اس کی شاخیں آسمانوں میں۔ کیونکہ اس کی برکت سے اعمالِ انسانیہ آسمان تک جاتے ہیں۔ ہر وقت پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع میں لگا رہے۔

اس مثال میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ کے اندر سے غذا حاصل کرتا ہے اور شاخوں اور پتوں کے ذریعہ آسمان اور زمین کے درمیانی خلاء سے بھی قوت و غذا حاصل کرتا ہے۔ مثلاً دھوپ۔ چاندنی۔ ہوا۔ شبنم وغیرہ سے۔ اور ان تمام غذاؤں سے درخت میں پھل آتے ہیں۔ اور ان پھلوں میں سے خود ایک دانہ بھی استعمال نہیں کرتا بلکہ پورے کے پورے پھل اپنے مالک کے حوالہ کر دیتا ہے جس سے وہ نفع اٹھاتا ہے۔ اسی کلمۂ طیبہ پڑھنے والے کا حال ہے کہ اس کلمہ کے ذریعہ اس کے دل میں نورِ ایمان پیدا ہوتا ہے اور کفر کی ظلمت ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد چھوٹا یا بڑا جو بھی نیک عمل وہ کرتا ہے اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے کہ بغیر اس کلمہ کے نہ عبادت قبول ہوتی ہے نہ صدقہ و خیرات۔

عن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ (ترغیب)

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنا جنت کی کنجیاں ہیں۔

فائدہ:۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جنت کی قیمت لا الٰہ اللہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر میں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ والوں پر نہ قبروں میں وحشت ہوگی نہ میدانِ حشر میں۔ ایک حدیث میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے قسم کی بلائیں دور کرتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے منبہات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اندھیرے پانچ ہیں اور پانچ ہی ان کے چراغ ہیں۔ ۱۔ گناہ اندھیرا ہے جس کا چراغ توبہ ہے۔ ۲۔ قبر اندھیرا ہے جس کا چراغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ ۳۔ آخرت اندھیرا ہے جس کا چراغ نیک عمل ہے۔ ۴۔ دنیا کی محبت اندھیرا ہے جس کا چراغ تقویٰ ہے۔ ۵۔ پل صراط اندھیرا ہے جس کا چراغ یقین ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو سونے کے وقت اور جاگنے

کے وقت لا الٰہ الا اللہ کا اہتمام ہو اس کو دنیا بھی آخرت پر مستعد کریگی اور مصیبت سے اس کی حفاظت ہوگی۔

غرضکہ کلمہ کے فضائل قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہیں لیکن ہر شے کا نفع اس کی حقیقت پر موقوف ہے۔ اگر مادی شکلوں کی حقیقت پیدا نہ کی جاوے تو صرف الفاظ کے بولنے سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً تجارت۔ تجارت کے لفظ کی ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تسبیحات روزانہ اہتمام سے پڑھی جاویں تو ایک پیسہ بھی حاصل نہ ہوگا اسی طرح زراعت زراعت ساری عمر کہتے رہیں تو ایک دانہ بھی پیدا نہ ہوگا۔ اسی طرح سائنس جس کا آج بہت زور وشور ہے اور جس کے ذریعہ آسمانوں میں پہنچنے تک کی کوشش کی جارہی ہے، اگر اس کے صرف الفاظ ساری دنیا بھی رٹتی رہے تو آسمان تو درکنار زمین پر رینگنے والی سواری بھی ایجاد نہ ہوسکے گی۔ بس ہر شے کے ایک تو الفاظ ہیں اور ایک حقیقت۔ جب تک حقیقت تک نہ پہنچا جاوے گا صرف الفاظ نفع نہیں دے سکتے لیکن کلمۂ طیبہ کا عجب حال ہے کہ اس کے صرف الفاظ بھی نفع سے خالی نہیں کہ ہمیشہ جہنم میں جلنے سے الفاظ بھی نجات دے دیں گے بشرطیکہ صدق دل سے ہوں لیکن حقیقت حقیقت ہی ہے۔

اگر کلمہ کی حقیقت حاصل ہوجائے تو کھلم کھلا مادی شکلوں پر حاوی ہونے اور ان کو فیل کرنے اور ان سے بلند ہونے کے مناظر ظہور میں آنے لگیں۔ اس لئے حقیقت پر پہنچنے کی سعی ضروری ہے۔ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کے لئے چار درجات ہیں۔

پہلی محنت۔ اول کوشش یہ کی جائے کہ اس کے الفاظ صحیح کئے جاویں کہ زبر۔ زیر۔ پیش اور حروف وغیرہ میں کسی قسم کی غلطی باقی نہ رہے۔ وہ یہ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

دوسری محنت۔ یہ محنت کی جاوے کہ اس کے معنی یاد ہوجاویں، کیونکہ بغیر معنی کے جانے کسی بات کو سمجھا نہیں جاسکتا اور جب سمجھتا ہی نہیں تو پھر کیا معلوم کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور دل کیونکر اسے قبول کرسکتا ہے اور اثر لے سکتا ہے اور جب دل متاثر نہ ہوا تو بدن چونکہ دل کے تابع ہے اسلئے

وہ عمل پر کیسے آمادہ ہوگا۔ اس لئے معنی کا یاد کرنا نہایت ضروری ہے۔ معنی یہ ہیں: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی کوشش کی جاوے۔ یہ نہ سمجھے کہ کلمہ کا حق ادا ہوگیا۔ اگر یہ سمجھ لیا تو آگے ترقی نہ ہوسکے گی۔ اس کے لئے تیسری محنت کی جاوے گی۔

تیسری محنت اور کوشش یہ ہے کہ کلمہ کے مطالبہ کو سمجھا جاوے کہ آخر یہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اس درجہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص کی علامت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کلمہ اس کو حرام کاموں سے روک دے۔ بس کلمہ کا مطالبہ یہ ہی ہے کہ یہ طے کرلینا کہ ہر حال میں اور ہر کام میں اللہ کی مانوں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے، پھر اس سے آگے کی ترقی کے لئے چوتھی محنت کرنی پڑے گی ورنہ مکمل کامیابی اور ترقی حاصل نہ ہوسکے گی اور وہ یہ ہے۔

چوتھی محنت۔ یہ ہے کہ کلمہ والا یقین پیدا کیا جاوے کیونکہ جب تک کسی شے کا یقین کامل نہیں ہوتا تو آدمی اس پر پوری طرح محنت کرنے کو تیار نہیں ہوسکتا۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ تجارت پر جان و مال وہ ہی لگائے گا جس کو تجارت والے نفع کا یقین ہوگا۔ زراعت پر جان و مال وہ ہی لگائے گا جس کو زراعت والے منافع کا یقین بھی ہوگا۔ سائنس پر اپنا دماغ اور اپنی جان اور اپنا مال وہ ہی صرف کرے گا جس کو اس کے منافع کا یقین کامل ہوگا بس یہ قاعدۂ کلیہ ہے۔ اسی طرح کلمہ والی زندگی اور کلمہ والے تقاضے اور کلمہ کا مطالبہ وہ ہی پورا کرسکے گا جس کو کلمہ والا یقین حاصل ہوگا۔ اس لئے چوتھی محنت یہ کرنی ہوگی کہ دل میں کلمہ والا یقین پیدا ہوجاوے اور کلمہ کے یقین چار ہیں:

(۱) اللہ کا غیر اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ ہر شے میں تین چیزیں ہیں: اوّل شکل۔ دوسرے صفت۔ تیسرے استعمال۔ مثلاً سورج کی ایک شکل ہے یعنی گول تکیہ۔ دوسری اسکی صفت ہے روشنی۔ تیسرے اس کا

استعمال ہے یعنی روشنی کو پھیلانا۔ بس سورج کی ٹکیہ بھی اللہ نے بنائی اس میں روشنی کی صفت بھی اللہ نے رکھی اور اس روشنی کو پھیلانا اور باقی رکھنا اور اس کے ذریعہ نفع یا نقصان پہنچانا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہی حال ہر شے کا ہے۔ بس کلمہ کا مطالبہ یہ ہے کہ دل میں یہ یقین پیدا کیا جاوے کہ نہ شکل خود بن سکتی ہے نہ اسکی صفت اس کی اپنی حاصل کی ہوئی ہے اور نہ وہ اپنی صفت کو خود استعمال ہی کر سکتی ہے۔ اللہ نے ہی شکل کو بنایا۔ اللہ نے ہی صفات تقسیم کیں اور اللہ ہی ان کو استعمال کر رہے ہیں۔ جبرئیلؑ سے لے کر چیونٹی تک جتنی شکلیں ہیں سب کا یہ ہی حال ہے۔ یہ یقین دل کی گہرائی میں بیٹھ جائے۔ حقیقت میں لا الٰہ کا یہ ہی مقصد ہے۔

(ب) دوسرا یقین یہ پیدا کرنا کہ اللہ اپنے غیر کے بغیر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یعنی اللہ رب العزت کرنے میں اپنے غیر کے محتاج نہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو اس کے بغیر بنایا۔ زمین کو بغیر زمین کے۔ آسمان کو بغیر آسمان کے۔ سورج کو بغیر سورج کے۔ انسان کو بغیر انسان کے۔ غرضکہ تمام مخلوق کو صرف اپنی قدرت سے پیدا کیا، چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان، چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ وہ قدرت والے ہیں۔ جب چاہتے ہیں اور جیسی چاہتے ہیں شکل بنا سکتے ہیں۔ وہ خود فرماتے ہیں:

اِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔	یعنی اللہ رب العزت جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو فرماتے ہیں ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے اور فرماتے ہیں مٹ جا تو مٹ جاتی ہے۔

(پ ۳ ع ۴)

اور "الا اللہ" کی حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ دل میں یہ یقین پختہ اور کامل ہو جائے۔ جب یہ دو یقین کامل ہو گئے۔ اول یہ کہ اللہ کا غیر اللہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ اپنے غیر کے بغیر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تو کلمہ کا ایک جز لا الٰہ الا اللہ پورا ہو گیا۔

(ج) کلمہ کا دوسرا جزو "محمد رسول اللہ" ہے۔ اس کے بھی دو یقین ہیں۔ اول یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم والے زندگی گذارنے کے طریقے بغیر شکلوں کے کامیاب کر سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو پورے

انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے اور آپؐ کی نبوت قیامت تک کیلئے ہے۔ آپؐ نے عبادات۔ معاشرت۔ معیشت اور معاملات سب کے طریقے سکھائے۔ آپؐ نے سکھایا کہ اپنے خالق اور مالک کی یاد کس کس وقت اور کیسے کیسے کرنی چاہیئے۔ آپؐ نے یہ بھی سکھایا کہ اپنے گھر والوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور مسافروں۔ اپنوں اور بیگانوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیئے اور ان میں رہ کر کس طرح زندگی گذارنی چاہیئے۔ آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ کمائی کونسی حلال ہے اور کون سی حرام ہے اور حلال کمائی کے طریقے کیا ہیں اور حلال طریقوں میں کیسی کیسی برکتیں ہیں اور حرام میں کیا کیا نقصانات ہیں۔ اور آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ آپس میں لینے دینے کے کیا اصول ہیں۔ کس کو دینا چاہیئے اور جس سے لینا ہے اس سے وصول کرنے کا اچھا طریقہ کیا ہے۔ حکومت کے طریقے، محکومیت کے اصول سب کچھ آپؐ نے بتائے ہیں۔ اگر انسانی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر آجائے تو تمام فتنے اور مصیبتیں ختم ہوجائیں۔ ہر طرف امن اور چین اور آپس میں الفت و محبت اور مودّت پیدا ہوجائے۔ دنیا بھی بن جائے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی بھی بن جائے اور ہر طرف سے کامیابی قدم چومنے لگے۔

دوسرا یقین یہ ہے کہ شکلیں حضورؐ کے طریقوں کے بغیر کامیاب نہیں کرسکتیں۔ زراعت کی شکل اعلیٰ سے اعلیٰ اگر کسی کے پاس ہو لیکن اس میں طریقۂ محمدی نہ ہو تو یہ شکل بھی ہر وقت خطرہ میں ہے اور شکل والا بھی خطرہ میں ہے۔ اسی طرح تجارت، ملازمت، کارخانے، حکومت۔ سب کا یہی حال ہے کہ اگر ان میں حضورؐ والے طریقے پیدا نہ کئے گئے تو شکلیں اور شکلوں کے مالک سب خطرہ میں ہیں۔ پتہ نہیں کس پر کس وقت کیا وبال آجاوے اور کونسی شکل کس وقت فیل ہوجاوے اور شکلوں والے پتہ نہیں کس وقت ناکام اور برباد ہوجاویں۔ پھر دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد۔

کلمہ کے یہ کل چار یقین ہوگئے۔ یعنی ۱ اللہ کا غیر اللہ کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ ۲ اللہ اپنے غیر کے بغیر سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ۳ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے بغیر شکلوں کے کامیاب کر سکتے ہیں۔ وہ شکلیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے بغیر کامیاب نہیں کر سکتیں۔

بس جب تک کلمہ کا یہ یقین پیدا نہ ہو جاوے اپنے کو نامکمل سمجھا جاوے اور ہر وقت اس کی منتہا تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی جاوے اور اللہ رب العزت کا کرم یہ ہے کہ اگر انسان منتہیٰ تک پہنچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو اپنے لطف و کرم سے اس کو یقین کی دولت عطا فرما دیتے ہیں۔ اور اگر ان کی حکمت و مصلحت کا تقاضہ کسی بندے کے بارے میں یہ ہو کہ فلاں بندے کو اس کوشش کا ثواب بھی دیا جائے اور یقین بھی آخر میں موت کے وقت مکمل کیا جاوے تو موت پر اسے یقینِ کامل کی دولت عطا فرما کر دنیا سے اٹھاتے ہیں کہ موت تک کی کوشش کا اجر و ثواب بھی مل گیا جو کہ بے انتہا ہے اور آخرت میں یقین والوں کی فہرست میں شمار کیا جاوے گا۔" ہم خرما و ہم ثواب۔"

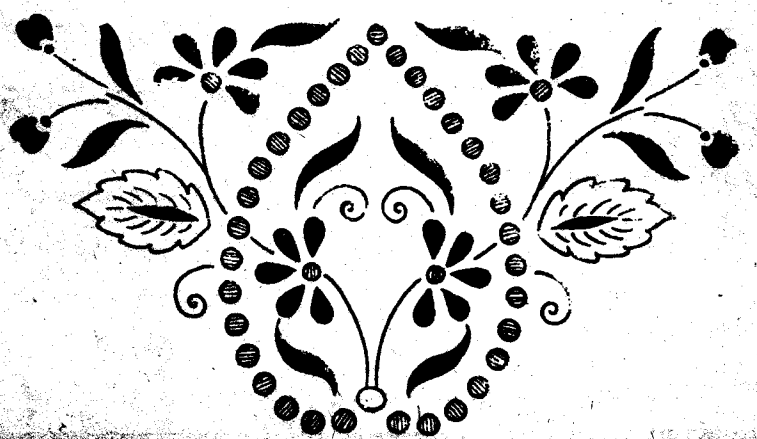

دوسرا نمبر — نماز

اوّل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو ایمان کے ساتھ نماز بھی مل گئی تھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (پ ۱۶ ع ۱۰)	میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز پڑھا کرو۔

دوسرے یہ کہ ان کو نماز کا حکم زمین پر ہی ملا تھا لیکن آقائے نامدار سرور کائنات امام الانبیاء خاتم النبیین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز کا حکم دس یا تیرہ سال بعد ملا۔ احادیث میں دونوں روایتیں موجود ہیں۔ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلا کر نماز دی گئی۔ جس کی تفصیل معراج کے سلسلہ میں کتابوں میں موجود ہے۔ اسی میں تذکرہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مقام پر بلائے گئے کہ جبرئیل علیہ السلام نے بھی یہ عرض کیا کہ اگر میں یہاں سے ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں تو اللہ کے جلال سے جل کر خاکستر ہو جاؤں۔

وہاں اللہ نے کیا دیا؟ اس کے بارے میں صرف اس قدر ارشاد باری ہے: فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ ہم نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی۔ یعنی ہم نے جو چاہا وہ اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ دوسرا کوئی کیا جانے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو آکر یہ خبر دی کہ مجھے معراج میں نماز عطا فرمائی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کی جامع شکل کا نام نماز ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے: اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ۔ ترجمہ:۔ نماز مومن کی معراج ہے۔

ہر دو قول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس امت سے اللہ رب العزت کو نبوت والا کام لینا تھا اور وحی کا سلسلہ بند کرنا تھا اس لئے اس امت کو نماز کی صورت میں ایک ایسا عمل عطا فرما دیا کہ جس کے ذریعہ ہر امتی اللہ رب العزت سے براہِ راست لینے والا بن سکے۔ اسی کے پیشِ نظر اس امت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ ذرا غور فرمائیے! اللہ رب العزت نے اس امت کا کس قدر اکرام فرمایا۔ اور کتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ براہِ راست اللہ رب العزت سے تعلق پیدا کرنے والا عمل اس کو دے دیا گیا اور وحی کے علم کی جس قدر ضرورت تھی وہ قرآن وحدیث کے ذریعہ عطا فرما دیا۔ اور اس علم کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس علم کے علاوہ جس علم کی ضرورت پڑے اسے احسان والی نماز بنا کر براہِ راست اللہ سے لیتے رہنے کا عمل عطا فرما دیا۔

یہ سب اہتمام اس لیے کیا گیا کہ اس امت سے اللہ رب العزت کو کارِ نبوت لینا مقصود تھا۔ جس کا اعلان قرآنِ پاک میں

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ. (س یوسف پ۱۳)	اعلان کر دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میرا مقصدِ حیات یہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ دعوت دوں میرا کام بھی یہ ہے اور اتباع کرنیوالے ہر شخص کا کام بھی یہ ہی ہوگا۔
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم بہترین امت ہو تم کو اللہ رب العزت نے لوگوں کے نفع کی خاطر چن لیا ہے (اور اصل نفع) یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم کرو اور بُری باتوں سے روکو۔

کے ذریعہ کیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے اس امت سے صرف کلمہ کی دعوت پر دس سال لگوائے گئے۔ کیونکہ اس امت کا اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اس امت کی نماز میں مندرجہ ذیل امور مضمر ہیں:۔

اوّل یہ کہ اس امت کو جو نماز ملی ہے وہ عرشی ہے۔ دوسری امتوں کی نماز فرشی ہے۔
دوسرے یہ کہ حضورؐ والی نماز میں ختم نبوت کے کام کو انجام دینے کی ترتیب کا نقشہ قائم کیا گیا ہے۔
تیسرے ـــــ یہ کہ براہِ راست اللہ سے لیتے رہنے کا انتظام رکھا گیا ہے۔
چوتھے ـــــ یہ کہ یقین کی تازگی اور جسم کو اللہ کے حکم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں کے مطابق استعمال کرنے کی مشق اس میں کرائی گئی ہے۔

۱۔ اوّل کا جواب ظاہر ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز کا حکم بذریعہ وحی زمین پر ہی دیا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلا کر نماز دی گئی۔

۲۔ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں ختم نبوت والے کام کو انجام دینے کی ترتیب کا نقشہ قائم کیا گیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ نماز میں پہلا

(ا) حکم یہ ہے کہ وقت شروع ہونے پر اذان دی جائے۔ اور اذان دعوت ایمان و عمل کا مجموعہ ہے۔ بس اذان کے حکم کے ذریعہ امت کو یہ بات سمجھائی گئی کہ امت محمدیہ کا سب سے مقدم کام دعوتِ ایمان و عمل ہے۔

(ب) مؤذن کی آواز کو سن کر نماز کی طرف چل دینے کو واجب قرار دیکر امت کو یہ سمجھایا گیا کہ امت کے ذمہ داعی کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے۔

(ج) جماعت کی نماز کے لئے امام کے تعین کرنے کو واجب قرار دے کر یہ بات سمجھائی گئی کہ امت میں امارت کا شعبہ ضروری ہے جس طرح بغیر امام کے نماز کی اجتماعیت قائم نہیں ہوتی اسی طرح بغیر امیر کے امت میں اجتماعیت باقی نہ رہ سکے گی۔

(د) امام کے پیچھے صف بندی کے ذریعہ یہ سمجھایا گیا کہ امت میں امیر سے

جوڑا اور آپس کا جوڑ ضروری ہے۔ اور جوڑ کے لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ ترجمہ:۔ مانند پگھلے ہوئے سیسہ کی دیوار کے جُڑ جانا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَجَسَدٍ وَّاحِدٍ۔ مانند ایک جسم کے جوڑ پیدا ہو جائے۔ اب امتِ محمدیہ ان اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر غور فرمائے کہ آپس کے جوڑ کے لئے کیسی کیسی مثالیں دے کر امت کو متوجہ فرما رہے ہیں چنانچہ پگھلے ہوئے سیسہ کی دیوار سے زیادہ مضبوط جوڑ کی کوئی شکل نہیں ہو سکتی اور اختلافات کے باوجود آپس کا جوڑ جسم سے بہتر کسی کا جوڑ نہیں ہو سکتا۔ ذرا غور فرمائیے۔ جسم کے اعضائے رئیسہ آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ہاتھ۔ پیر۔ دل اور دماغ ہیں۔ پہلے ان کے اختلافات کو دیکھیں۔ اول اختلاف جائے وقوع کا ہے۔ دوسرا شکلوں کا ہے۔ تیسرے کاموں کا ہے۔ اور یہ اتنے شدید اختلافات ہیں کہ کسی صورت سے مٹ نہیں سکتے۔ اگر کوئی مٹانے کی سعی کرے تو سارا انتظام درہم برہم ہو جائے اور آدمی ختم ہو جائے۔

جائے وقوع کا اختلاف۔ آنکھ کہیں، کان کہیں۔ زبان کہیں اور ہاتھ کہیں۔ پاؤں کہیں دل کہیں اور دماغ کہیں۔ یہ ایسا اختلاف ہے کہ مٹائے سے بھی نہیں مٹ سکتا۔ دوسری شکلوں کا اختلاف آنکھ کی شکل اور کان کی شکل اور زبان کی شکل اور یہ بھی ایسا اختلاف ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹ سکتا۔ تیسرا اختلاف کاموں کا ہے۔ زبان کا کام بولنا اور سارے اعضاء کا کام نہ بولنا۔ کان کا کام سننا اور سارے اعضاء کا کام نہ سننا۔ آنکھ کا کام دیکھنا اور سارے اعضاء کا کام نہ دیکھنا۔ ہاتھوں کا کام پکڑنا اور سارے اعضاء کا کام نہ پکڑنا۔ پاؤں کا کام چلنا سارے اعضاء کا کام نہ چلنا۔ دماغ کا کام سوچنا سارے اعضاء کا کام نہ سوچنا۔ دل کا کام حکم کرنا اور سارے اعضاء کا کام حکم نہ کرنا۔ سوچو کتنا سخت اختلاف ہے۔ ہر ایک کا کام دوسرے کی ضد ہے۔ لیکن اس کے باوجود اب جوڑ کو

ملاحظہ فرماویں کہ اگر ایک کے تکلیف ہو جائے تو سارے اس سے بے چین ہو جائیں اور سب کے سب اس کی خدمت میں لگ جاویں اور اس کی مدد پر آمادہ ہو جاویں اور جب تک وہ تکلیف دور نہ ہو جائے کسی دوسری جانب توجہ کرنے کو تیار نہ ہوں۔ مثلاً چلتے چلتے پیر میں چوٹ لگ گئی اور شدید زخمی ہو گیا۔ اب دیکھیے کہ چوٹ ایک پیر میں آئی تھی اور دوسرے پیر نے چلنا چھوڑ دیا۔ پورا بدن بیتاب ہو کر بیٹھ گیا۔ ہاتھ نے زخمی پیر کو پکڑ لیا۔ آنکھ نے زخم کو دیکھنا شروع کر دیا۔ زبان بولی کہ زخم گہرا ہے۔ کان نے سنا اور دماغ کو خبر کی۔ دماغ نے فوراً دل کو آگاہ کیا۔ دل چونکہ پورے جسم کا بادشاہ ہے اور بادشاہ میں جرأت و ہمت کا ہونا ضروری ہے۔ اور بادشاہ کا کام ہے کہ اپنی رعایا (پبلک) کو مسئلہ کے حل کا حکم کرے۔ چنانچہ دل کو جب علم ہوا کہ پیر میں زخم آگیا تو فوراً حکم صادر کیا کہ ہسپتال چلو۔ اس حکم کو دماغ نے کان تک پہنچایا۔ کانوں نے زبان کو آگاہ کیا اور زبان نے دوسرے اعضاء کو خبر دی۔ بس حکم ملتے ہی زخمی پاؤں نے بھی لنگڑا لنگڑا کر چلنا شروع کر دیا۔ دوسرے پاؤں نے آگے قدم بڑھانے شروع کر دیے۔ آنکھ نے آگے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور دوسرے اعضاء بھی اس سلسلہ کے امور کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہسپتال پہنچے۔ زبان نے فوراً ڈاکٹر کو اطلاع دی۔ ہاتھ نے پکڑ کر دکھایا۔ ڈاکٹر نے علاج اور مرہم پٹی شروع کی اور آنکھ دیکھتی رہی۔ دل و دماغ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب مرہم پٹی مکمل ہو چکی تو زبان نے کانوں کو اور کانوں نے دماغ کو اور دماغ نے دل کو اطلاع دی کہ علاج مکمل ہو گیا۔ ان سب اعضاء کو سکون اور اطمینان ہوا۔ جوڑ کے بارے میں اس سے بہتر مثال کوئی نہیں ہو سکتی۔ بس اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ اس امت سے جڑ جانے کا ہے کہ امیر سے بھی جوڑ ہو اور مامورین میں بھی آپس میں جوڑ ہو۔ اس کے لئے امیر پر ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے مامورین پر

شفقت کا اور مہربانی کا برتاؤ رکھے اور ان میں سے ضعفاء کے حال کے مناسب معاملہ کرتا رہے۔

(۵) نماز میں امام کی اتباع کو واجب قرار دے کر یہ بتلایا گیا کہ ہر حال میں امیر کی اطاعت کی جاوے جس کو اللہ تعالیٰ نے "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے امیر کی۔" کے ذریعہ واضح فرمایا۔

(۶) نماز میں سلام پھیرنے تک امام کی اتباع کرتے رہنے کے ذریعہ یہ بات واضح کردی گئی کہ امیر کی اطاعت آخر تک کرنی ہے خصوصاً جس کام میں لگا دیا اس کے پورا ہونے تک درمیان میں رخصت لینے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ کل چھ باتیں ہوئیں جن کو نماز میں قائم فرماکر امت کو یہ بات بتلادی کہ تمہاری زندگی کی یہ ترتیب ہونی چاہیئے اگر امت اس ترتیب اور اس نقشہ پر قائم رہے گی تو بڑی سے بڑی طاقت بھی نہ اسکو نقصان پہنچا سکے گی اور نہ اس کا مقابلہ کرسکے گی۔

۳۔ نماز میں براہِ راست اللہ سے لیتے رہنے کا انتظام موجود ہے لیکن ضرورت اس کی ہے کہ نماز پر محنت کرکے نماز کو احسان کے درجہ تک پہنچا دیا جائے تاکہ شانِ معراجی تک نمازی پہنچ جائے اور پھر فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ کا معاملہ اللہ رب العزت اس سے فرمانے لگیں۔

۴۔ چوتھی چیز نماز میں یہ ہے کہ کلمہ والا یقین تازہ ہوتا رہے جس کی اللہ اکبر یعنی تکبیر تحریمہ کے ذریعہ یاددہانی کرائی جاتی ہے یعنی مختصر لفظ استعمال کراکر سارے کلمہ کا یقین اس میں مطلوب ہے وہ یہ کہ اللہ اکبر کے کہنے کے ساتھ یہ یقین بن جاوے کہ سب چھوٹے اللہ بڑے ہیں یعنی سب کی چھوٹائی اور اللہ کی بڑائی کا یقین پیدا کیا جاوے۔ دوسری محنت یہ ہے کہ سر سے لیکر پیروں تک کی انگلیاں تک ہر حال میں اللہ کے حکم پر حضورؐ کے طریقہ پر استعمال کرنے کی مشق کی جاوے چنانچہ نماز میں ایک بدن کے ایک ایک جزو کے استعمال کے کئی کئی شکلوں سے احکامات دیے گئے۔ مثال کے طور پر ایک آنکھ کو ہی لے لیجیے!

قیام میں سجدہ کی جگہ، رکوع میں پنجوں پر، سجدہ میں ناک پر، جلسہ میں ہاتھوں پر یا گود میں۔ اسی طرح تمام بدن کے بارے میں تشریح ہے یہاں تک کہ حروف کے مخارج کے ذریعہ زبان، ہونٹ، مسوڑھے، دانت اور حلقوم کی ابتداء، درمیان اور آخری حصہ تک مشق کرائی گئی۔ بس جس قدر ان تمام امور کی رعایت کے ساتھ نماز ادا کی جاوے گی اسی قدر نماز احسان کے درجہ تک پہنچتی رہے گی۔

یہ ہے وہ نماز جو اس امت کو دی گئی ہے لیکن امت نے نماز کو اس طرح سوچا ہی نہیں کہ نماز کیا ہے اور اس میں اللہ نے کیا دیا ہے اور اس سے کیا کیا مل سکتا ہے۔ سوچ سے چیز کھلتی ہے۔ آج کے مادی انسانوں نے اپنی سوچ کو مادی شکلوں پر استعمال کر کے ان کو آسمان پر اڑا کر دکھا دیا۔ جتنی نئی نئی ایجادات ہیں وہ انسانی سوچ کا ہی کرشمہ ہے اور یہ امتِ مسلمہ کو چیلنج ہے کہ اے اللہ کے ماننے والو اور اے رحمۃ للعالمین کے عقیدتمندو ہم نے اپنی سوچ کو مادے پر استعمال کر کے ان سے نفع اور کامیابی لے کر دکھا دیا حالانکہ مادہ سراسر بے جان چیز ہے اور اے امت محمدیہ! تمہارے پاس اللہ اور اس کے رسول کے اوامر اور نماز جیسی بلند اور جاندار طریقے ہیں۔ تم نے ان سے کیا حاصل کیا اور کیا کامیابی لے کر دکھائی۔ آؤ مقابلہ پر۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مادے والوں کو چیلنج دے کر ان کی شکلوں کو فیل کر کے اور حضور والے طریقوں پر اپنی زندگی بنا کر ان سے کامیابی حاصل کر کے دنیا والوں کو شکست دے کر دکھایا تھا لیکن امت ان سارے طریقوں کو محفوظ رکھتے ہوئے مادے والوں کے سامنے شکست خوردہ ہے، اس کی وجہ صرف حضور والے طریقوں سے روگردانی ہے۔

تبلیغ کے دوسرے نمبر یعنی نماز میں اسی کی دعوت ہے کہ نماز پر محنت کر کے ترتیب زندگی اور بدن کے استعمال کو صحیح کرنے کی مشق کی جاوے۔

کلمۂ طیبہ کے ذریعے بندے نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ ہر حال میں ہر کام میں اور ہر آن آپ کے حکموں کی پابندی کروں گا اور آپ کے رسول کی پوری پوری تابعداری کروں گا۔ اللہ کے احکامات بے شمار ہیں۔ لیکن سارے حکموں میں سب سے بڑا حکم نماز کا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں نماز کے بارے میں سات سو جگہ سے بھی زیادہ مقام پر نماز کا ذکر آیا ہے اور حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تائید فرمائی ہے۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ نماز ہر بالغ مرد اور عورت پر دن میں پانچ وقت فرض کی گئی ہے۔ اور حکم دیا گیا ہے کہ بچے کو سات سال کی عمر میں نماز کی تاکید کرو اور دس سال کی عمر جب ہو جاوے تو نماز میں سستی یا غفلت برتنے پر اس کو مارو۔

نماز کیا ہے؟

نماز اس صفت کا نام ہے جو صفت اللہ رب العزت کو ساری صفات سے زیادہ پیاری اور محبوب ہے اور کلمۂ طیبہ میں اسی صفت والا بننے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی لئے کلمہ کو عہد نامہ یا اقرار نامہ قرار دیا کیونکہ یہ اقرار یا عہد دل سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اندرون قلب کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے کسی ایسے عمل کی ضرورت ہے جس کو دیکھ کر ہر کس و ناکس پہچان سکے کہ یہ انسان ہم سے جداگانہ صفات سے متصف اور اس کا حامل ہے اور وہ صفت یہ ہے کہ آدمی کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں یعنی جسم کا ایک ایک عضو ہر حال میں اللہ کی منشاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی شکل پر استعمال ہونے لگے۔ چاہے وہ عبادت ہو یا معاشرت، کھڑا ہو یا بیٹھا، جھکا ہوا ہو یا لیٹا ہوا۔ جاگتا ہو یا سوتا۔ اپنوں میں ہو یا بیگانوں میں۔ گھر پر ہو یا سفر میں، پیدل ہو یا سواری میں، تنگی میں ہو یا فراخی میں۔ حاکم ہو یا محکومیت میں۔ آقا ہو یا غلامی میں۔ کوئی حالت اسے اللہ کے حکم اور رسول کی تابعداری سے نہ روک سکے۔ ان جملہ صفات کا جامع نام نماز ہے۔ اس لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نماز پوری زندگی کے سارے اوقات اور ہر حال اور ہر عمل میں جاری اور پھیلی

ہوئی ہے اور اس کی جامع صفت کو اللہ رب العزت نے نماز کے حکم میں جمع کر دیا ہے اور دن رات میں پانچ وقت اس کی ادائیگی فرض قرار دیدی ہے تاکہ ایک طرف صفتِ نماز والی زندگی کی مشق ہوتی رہے۔ دوسری طرف شانِ اسلام کا ظہور ہو کر غیر مسلموں کیلئے کشش کا ذریعہ بنتی رہے۔ حقیقت میں اللہ کی طرف سے ہر مسلم سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ چوبیس گھنٹہ نماز والی صفت پر قایم رہے۔ صرف یہ نہیں کہ مسجد میں نمازی اور باہر بے نمازی۔ نیت باندھی تو نمازی اور سلام پھیر دیا تو بے نمازی۔ بس تبلیغ میں نماز کے نمبر کا مقصد یہ ہی ہے کہ ہر مسلم کو اس قدر محنت کرنی ہے کہ وہ پورا پورا نمازی بن جائے اور کوئی حال اسے نماز والی صفت سے نہ ہٹا سکے۔ اور کوئی طاقت اس کی نماز والی صفت کو نہ توڑ سکے۔ اور یہ محنت سے ہی ہوگا۔ محنت کا طریقہ آخر میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ!

نماز کی اہمیت اور فضیلت

ارشاد باری ہے:-

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

بیشک نماز منکرات اور فواحش سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

فائدہ:- ہر چیز اس کی صفت سے پہچانی جاتی ہے۔ مثلاً شکر کو مٹھاس سے، نمک کو کھاراپن سے، لیموں اور املی کو ترشی سے وغیرہ وغیرہ۔ بس نماز کی پہچان یہ ہے کہ نمازی آدمی برے کاموں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتا ہو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ۔ (الآیہ)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہو اور خود بھی اسکا اہتمام کیجئے ہم آپ سے روزی کمانا نہیں چاہتے بلکہ روزی تو ہم خود ہی دیں گے۔ (پ ۱۶ ع ۶)

فائدہ:- اس آیت شریفہ میں کس قدر تاکید ہے کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید فرماتے رہیں اور خود بھی اسکا اہتمام رکھیں۔ جب بنی نوعِ انسان کے

سردار کو یہ تاکید ہے تو پھر دوسرا کون ہے کہ جو اس سے اپنے کو بری سمجھ سکے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے گھر والوں کو فکر رکھنے کی بھی تاکید فرمادی۔ تیسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (الآیہ) (پ ۱ ع ۲)

صبر اور نماز کے ساتھ اللہ سے مدد حاصل کرو۔ نماز صرف ان لوگوں پر بھاری ہے جو اللہ سے نہیں ڈرتے۔

فائدہ:۔ یعنی کوئی مسئلہ بھی اٹک جائے۔ چاہے وہ دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے۔ اس کا تعلق انسانوں سے ہو یا خداوند کریم سے۔ اس کا حل یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرو اور غیر سے اپنے یقین کو ہٹا لو اور کسی کی خوشامد اور چاپلوسی نہ کرو۔ بلکہ اپنے حال کا تذکرہ تک بھی غیر اللہ کے سامنے نہ ہونے پاوے۔ بس تنہائی میں جاکر دو رکعت پڑھ کر اللہ سے دعا مانگو۔ یہ ہی اصل علاج اور مسئلہ کا حل ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے:۔ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم رکھا اس نے اپنے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے سب سے اوّل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسرے نماز کو قائم کرنا۔ تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھے حج کرنا پانچویں رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

فائدہ:۔ اللہ کے رسولؐ نے اسلام کی تشبیہ ایک خیمہ کے ساتھ دی ہے جس کا دروازہ کلمہ ہے اور اس کے درمیان کا ستون نماز ہے کہ جس کے بغیر خیمہ کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے کہ پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کیلئے کفارہ ہیں یعنی ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں وہ نماز کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخیؒ جو کہ مشہور صوفی اور بڑے اونچے بزرگ ہیں، وہ

فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں اور ان کو پانچ جگہ پایا۔
۱۔ روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی۔ ۲۔ قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی۔ ۳۔ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب طلب کیا تو اس کو قرأت میں پایا۔ ۴۔ اور پل صراط کا سہولت سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں پایا۔ ۵۔ اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔

نماز کے چھوڑنے پر وعید اور عتاب

حدیث کی کتابوں میں نماز چھوڑنے پر بہت ہی سخت عذاب ذکر کئے گئے ہیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ سمجھدار کے لئے سچے اور محسن آقا کا ایک ارشاد بھی کافی ہے اور بے غیرت اور بے سمجھ کے لئے دفتر بھی بھر دئے جاویں تو بے سود ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان و کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے سات نصیحتیں کیں جن میں چار یہ ہیں: اول یہ کہ اللہ کا شریک کسی کو مت بناؤ چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جاویں یا تم جلا دئے جاؤ یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جاوے۔ دوسرے جان کر نماز نہ چھوڑنا جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ دین سے نکل جاتا ہے۔ تیسرے اللہ کی نافرمانی نہ کرنا کہ اس سے حق تعالےٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔ چوتھے شراب نہ پینا کہ ساری خطاؤں کی جڑ ہے۔

نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے فضائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ نماز جو جماعت سے پڑھی جاوے اس نماز سے جو گھر میں یا بازار میں اکیلے پڑھی ہو پچیس درجہ المضاعف ہوتی ہے۔

فائدہ :- پہلی حدیث میں ستائیس درجہ کی زیادتی بتلائی گئی تھی اور دوسری میں پچیس درجہ المضاعف بتلایا گیا۔ شراح نے اس میں عجیب بات لکھی ہے کہ اس حدیث کا ثواب پہلی حدیث سے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اس میں پچیس درجہ المضاعف فرمایا ہے۔ اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس درجہ ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں۔ ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا، دوسرے نفاق سے بری ہونے کا۔

وضو اور مسواک کے فضائل

نماز کے لئے وضو شرط ہے کہ بے وضو کے نماز ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وضو کا اہتمام بھی ضروری ہے اور جب وضو کرنا ہی ہے تو اس کے آداب اور سنن اور مستحبات کو بھی ادا کرنا ضروری ہے۔ جس میں وضو کی دعاؤں کا اہتمام اور مسواک کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جاوے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک کے پڑھی جاوے ستر درجہ افضل ہے۔ اس میں دس فائدے ہیں:-

۱۔ منہ کو صاف کرتی ہے۔ ۲۔ اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ ۳۔ شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔ ۴۔ مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ ۵۔ مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے۔ ۶۔ بلغم کو قطع کرتی ہے۔ ۷۔ منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ ۸۔ صفرا کو دور کرتی ہے۔ ۹۔ نگاہ کو تیز کرتی ہے۔ ۱۰۔ منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سنت ہے۔ علماء نے مسواک کے ستر فائدے لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ شہادت کا پڑھنا نصیب ہوتا ہے اس کے بالمقابل افیون کھانے

میں ستر نقصان ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔

نماز کی ابتدا اور انتہا

ہر چیز اور ہر کام کی ابتداء ہوتی ہے اور ایک انتہا۔ جب ابتداء سے محنت شروع کر کے انتہا تک جاری رکھی جاتی ہے۔ تب اس کا نفع مرتب ہوتا ہے اس پر تمام انسان متفق ہیں۔ چاہے وہ کاشتکار ہوں یا تاجر۔ چاہے دستکار ہو یا ملازم۔ مثلاً زراعت کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء۔ درمیان کی ساری منزلوں سے گذر کر انتہا تک پہنچا جاتا ہے پھر اس کا نفع حاصل ہوتا ہے۔ اول زمین کو بنانا چاہے ہل چلا کر یا ٹریکٹر اور کھاد ڈال کر۔ دوسرے وقت پر بیج ڈالنا۔ تیسرے اس کی حفاظت کرنا اور پانی وغیرہ ڈالتے رہنا۔ چوتھے اسے کاٹنا سمیٹنا اور صاف کرنا پھر غلہ ملے گا۔ اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہو گئی تو غلہ سے محروم ہونا پڑے گا۔ چوتھے یہ کہ اگر زمین کو محنت کر کے بیج ڈالنے کے قابل نہ بنایا تو زمین بیج ہی نہ کھائے گی۔ اگر بنا تو لیا لیکن بیج نہ ڈالا یا بیج تو ڈالا لیکن بے موسم کے ڈال دیا تب بھی محنت اکارت جائے گی اور بیج بھی بے کار ہو جاوے گا کہ وقت ہے گیہوں کا اور ڈال دی مکئی تو نہ گیہوں ہو گا نہ مکئی۔ محنت بھی کی، بیج بھی وقت پر اور موسم کا لحاظ کر کے ڈالا لیکن نہ پانی دیا نہ حفاظت کی تب بھی پہلی محنتیں اور بیج اور فصل اجڑ جاوے گی اور کچھ بھی پلے نہ پڑے گا کسی نے یہ تینوں محنتیں کر لیں لیکن وقت پر کاٹا نہیں اور وقت پر اسے صاف نہ کیا تب بھی غلہ ہاتھ نہ آوے گا۔ بس یہ ہی حال ہے ہر چیز کا کہ ہر ایک اول سے آخر تک محنت چاہتی ہے اور مکمل محنت کرنے پر اس کا نفع ملتا ہے۔ اسی طرح نماز کا ایک ابتدائی درجہ ہے اور ایک انتہائی درجہ۔ جب اول سے آخر تک محنت کرتے چلے جاویں گے جب نماز کے منافع مرتب ہونے شروع ہوں گے اور اس قدر نفع ہو گا کہ کوئی شکل اور کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

نماز کا اوّل درجہ۔ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو وقت اور تعداد رکعت کے اعتبار سے

نماز کی پابندی کرے۔ چاہے اسے کچھ بھی نہ آتا ہو یہاں تک کہ چاہے کسی کی نقل کر کے نماز ادا کرنی پڑے۔ ایسا کرنے سے وہ نماز کے چھوڑنے کے عذاب سے بچ جاوے گا۔

دوسرا درجہ

یہ کہ نماز کو نماز کے علم کے ساتھ ادا کرنا۔ یعنی یہ کہ وضو اور غسل سے لے کر سلام پھیرنے تک جتنے مسائل ہیں ان کو سیکھا جائے اور یاد کیا جاوے اور ان کی رعایت کے ساتھ نماز ادا کی جاوے۔ دوسرے نماز میں قرأت سے لے کر آخری دعا تک جو کچھ پڑھا جاتا ہے اسے یاد کرنے کی کوشش کرتا رہے یہاں تک کہ سب کچھ پختہ ہو جائے۔

تیسرا درجہ

یہ کہ نماز میں حضور قلبی پیدا کی جاوے۔ اس کی محنت کرنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لاصلوٰۃ الا بحضور قلب" کہ حضور قلب کے بغیر نماز ہی نہیں۔ یعنی نماز میں کمال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ یہ کہ اللہ کو حاضر و ناظر یقین کر کے نماز کو ادا کرنا۔

چوتھا درجہ

یہ کہ نماز میں احسان پیدا کرنا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم احسان کیا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ احسان اسے کہتے ہیں کہ اللہ کی عبادت اس طرح کی جاوے کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ دھیان کرنا کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔

نماز کا یہ آخری درجہ ہے جب تک نمازی اس مقام تک نہ پہنچے ہر نمازی اپنی نماز کو ناقص سمجھتا رہے اور کمال تک پہنچنے کی سعی کرتا رہے اور ہمت نہ ہارے۔ شیطان یہ دھوکا دیتا ہے کہ اس درجہ تک پہنچنا محال ہے

اس لئے کوشش کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ اس کی بہت بڑی چال ہے۔ اسکے دھوکے میں نہ آنا چاہیئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ میں بندے کے گمان کے موافق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت چلتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف چلتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو گز بڑھتا ہوں اور اگر وہ چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔ اب غور فرمائیں کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں کہ ذرا بھی کوئی محنت کرتا ہے تو اسے اپنی رحمت کے دامن میں لینے کو تیار رہیں۔ سچ ہے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید رحمت حق بہانہ می جوید۔

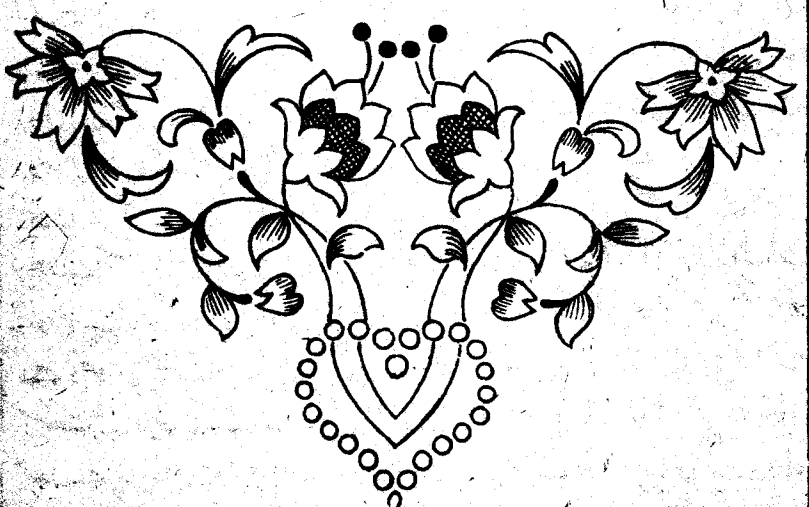

تیسرا نمبر ــــ علم و ذکر

اس نمبر میں دو چیزیں ہیں۔ ایک علم دوسرے ذکر۔ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "ان کی مثال پرندے کے دو بازوؤں کی سی ہے"۔ کہ پرندہ بغیر دو بازوؤں کے نہیں اڑ سکتا۔ اسی طرح مسلم کا حال ہے کہ کلمہ کے ذریعہ اس کی روحانی طاقت بڑھتی ہے اور نماز کے ذریعہ جسم روح کے تقاضوں کے مطابق بنتا ہے۔ جب روح اور جسم بن گیا تو اس میں قوت پرواز کے لئے دو بازوؤں کی ضرورت ہے، وہ علم اور ذکر ہیں۔ علم دایاں بازو ہے اور ذکر بایاں بازو ہے۔ اس لئے پہلے علم کے بارے میں لکھا جائے گا۔

علم

علم جاننے کو کہتے ہیں اور نہ جاننے کو جہالت کہتے ہیں۔ لیکن جاننا بھی دو قسم کا ہے۔ اول یہ کہ صحیح جاننا دوسرے غلط جاننا۔ اس بارے میں ایک واقعہ یاد آگیا جس کو بچپن میں دوسری یا تیسری اردو کی کتاب میں اسکول میں پڑھا تھا وہ یہ کہ ایک دیہاتی نے کسی سے سنا تھا کہ ایک سواری نئی ایجاد ہوئی ہے جس کا نام ریل ہے وہ بہت آرام سے بہت جلد ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ اور اس کے منھ (انجن) میں سے دھواں نکلتا ہے۔ دیہاتی یہ سن کر مزید تحقیق کئے بغیر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہاں پلیٹ فارم پر ایک بابو جی کالا کوٹ اور پتلون پہنے ہوئے اور سگریٹ منھ میں لگائے ہوئے اور سگریٹ کا کش لگا کر منھ سے دھواں نکالتے ہوئے چہل قدمی کر رہے تھے۔ جب دیہاتی نے بابو جی کو اس ہیئت میں دیکھا تو پیچھے سے جا کر بابو جی پر سوار ہو گیا۔ بابو جی اس اچانک حملہ سے پریشان ہو کر چلانے لگے۔ یہ تو چلا رہے تھے اور دیہاتی کہہ رہا تھا۔

اب چلانے سے کچھ نہیں بنتا۔ جلدی جلدی چل! مجھے فلاں مقام پر پہنچنا ہے۔ لوگ اس عجیب تماشے کو دیکھ کر جمع ہو گئے اور دیہاتی سے پوچھنے لگے۔ ارے بھائی! تم یہ کیا حرکت کر رہے ہو۔ دیہاتی نے کہا کہ ارے تم کیسے لوگ ہو۔ میں تو ریل پر سوار ہوں اور یہ دوڑتی ہی نہیں۔ تب لوگ سمجھے کہ اس نے بابو جی کو ریل سمجھ لیا ہے۔ پھر اسے سمجھا بجھا کر اتارا اور ریل کا پورا تعارف کرایا۔

بس غلط علم کا یہ ہی نتیجہ ہوتا ہے اس لئے صحیح علم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور ہر چیز کے صحیح اور غلط کا معیار مقرر ہے۔ یہ بات نہیں کہ جس کو چاہیں صحیح کہدیں اور جس کو چاہیں غلط قرار دے دیں۔ جیسے کہ شکر وہ صحیح سمجھی جائے گی جس میں مٹھاس ہو۔ نمک وہ صحیح سمجھا جاوے گا جس میں کھارا پن ہو۔ بھینس اسے سمجھا جاوے گا جو دودھ دیتی ہو۔ پرندہ اسے کہا جاوے گا جو اڑ سکتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ جو چیز مقررہ معیار پر نہ اُترے اسے غلط کہا جاوے گا۔ دھوکا سمجھا جاوے گا۔ یہ ہی علم کا حال ہے کہ جو علم انسان کو اللہ کی معرفت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ بتلادے وہ صحیح ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ غلط ہے اور اسے جہالت کہا جاوے گا۔ اس کی تفصیل "عطر حیات" میں کی گئی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

تبلیغ میں علم کا نمبر اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہر مسلم کو دین کے ضروری علم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے اور چونکہ دینِ اسلام صرف نماز، روزہ کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کو اللہ تعالےٰ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے مطابق بنانے اور گذارنے کا نام اسلام ہے اور قرآن و حدیث میں جس علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہی علم ہے اور اللہ رب العزت نے محض اپنے لطف و کرم سے قرآن پاک میں اس علم کے خزانہ کو جمع فرما کر ہمیں عطا فرما دیا ہے اور احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس علم کی تشریح کر کے اس کی ایک ایک چیز کو کھول دیا ہے۔ بس قرآن و حدیث میں جو کچھ ہے وہ حقیقتاً علم ہے اور جو علم اس کی طرف رہبری کرے وہ بھی اس کی نسبت کی وجہ سے علم کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے اور اس

کے خلاف جو کچھ ہے وہ جہالت ہی جہالت ہے۔ قرآن وحدیث اور اس کی طرف رہبری کرنے والا علم انسان کی ایسی رہبری کا ذمہ دار ہے کہ جس کے ذریعہ انسان دنیا میں بھی ترقی کو کامیابی حاصل کر سکے اور امن و عافیت، محبت والفت اور مودت اور سکون کے ساتھ زندگی گذار سکے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں بھی ہمیشہ کی کامیابی اور عافیت حاصل کر سکے۔

علم کے فضائل

اللہ رب العزت فرماتے ہیں "کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں"۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالےٰ بلند کرتا ہے ان لوگوں کے درجات کو جو ایمان والے ہیں اور علم دئے گئے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (قرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے ہیں اللہ رب العزت ان کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر۔ ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ رب العزت اور تمام فرشتے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کے سب یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں سمندروں میں رحمت بھیجتے ہیں اس شخص پر جو لوگوں کو علم سکھائے۔ ایک اور ارشاد ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ علم کو حاصل کرو چاہے وہ دنیا کے آخری کنارے میں مل سکے۔ (حدیث)

غرضکہ قرآن وحدیث میں علم کی بڑی بڑی فضیلتیں ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے اور یہاں ان کی گنجائش بھی نہیں کیونکہ اختصار مقصود ہے۔

لہ ریاض الصالحین ص۱۵ ایضاً۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ پوری زندگی کو اللہ کی رضا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے مطابق بنانے کا نام اسلام ہے اور انسانی زندگی عمومی طور سے چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ عبادات۔ ۲۔ معاشرت۔ ۳۔ معیشت۔ معاملات۔ ۴۔ اس لئے ان چاروں لائنوں کا علم حاصل کرنا ہر ایک پر ضروری ہے۔ ان چاروں میں عبادات کی لائن بنیادی درجہ رکھتی ہے۔ اب ان چاروں لائنوں کے بارے میں الگ الگ بیان کیا جائے گا۔

۱ عبادات کا علم

اس میں نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ۔ ذکر۔ تلاوت۔ دعا وغیرہ سب ہی داخل ہیں اس لئے جس سے جتنی عبادات متعلق ہوں ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے یعنی جس پر نماز فرض ہو جاوے اس پر نماز کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے اور جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاوے اس پر زکوٰۃ کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے اور جس پر حج فرض ہو جاوے اس پر حج کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے اور جس پر روزے فرض ہو جاویں اس پر روزہ کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے۔ لیکن سارے احکامات میں سب سے بڑا حکم نماز کا ہے۔ اس لئے نماز کا علم حاصل کرنا سب پر ہی ضروری ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ جوان ہو یا بوڑھا۔ اس سے کوئی بھی بری نہیں۔ اور علم دو قسم کا ہے۔ ایک مسائل کا دوسرے فضائل کا۔ مسائل کا جاننا مقدم ہے کیوں کہ عمل کی صحت کا دارومدار مسائل پر ہی ہے اور فضائل کا علم مستحب ہے لیکن اس کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر عمل کا ذوق اور شوق پیدا نہیں ہوتا۔

۲ معاشرت کا علم

معاشرت رہنے سہنے کو کہتے ہیں۔ جس میں گھریلو زندگی اور عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کے ساتھ رہنے سہنے کے طریقے بتائے گئے ہیں کہ ایک مسلم کو اپنے والدین، بیوی، بچے، رشتہ دار اور پڑوسیوں کے ساتھ کس طرح زندگی گذارنی چاہیئے۔ اگر اس لائن کا علم حاصل کر کے اس کے

مطابق رہنا سہنا آجاوے تو پھر کیا کہنے۔ زندگی میں مزے آنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور سے ایک ایک کام کو کر کے دکھایا ہے۔ مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ اپنی معاشرت کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی بناویں۔ پھر محبوبیت پاؤں چومنے لگے گی اور سارے دُکھ ختم ہو جائیں گے۔

۳ معاشیات کا علم

معاشیات میں وہ سارے اعمال اور ساری محنتیں داخل ہیں جن کو کمائی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً زراعت یا کاشتکاری۔ تجارت۔ ملازمت اور مزدوری وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعبہ کے ایسے اصول اور طریقے مرحمت فرمائے ہیں کہ اگر ان کے مطابق کمائیاں ہونے لگیں تو دھوکہ، غبن، سود، رشوت، بے ایمانی، جھوٹ سب ختم ہو جاویں اور پھر کمائیوں میں برکت ہونے لگے۔ زندگیاں خوش و خرم گذرنے لگیں۔ محبت و الفت اور مودت پیدا ہو جائے۔ خطرات ختم ہو جاویں۔ بس ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اپنی کمائی کا علم حاصل کرے اور اپنی اپنی کمائیوں کو اس علم کے مطابق کریں تاکہ دنیا کو سبق دے سکیں اور قوت کے ساتھ کہہ سکیں کہ اے دنیا والو آؤ اور کمائی کے طریقے ہم سے سیکھو کہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائیگی۔

۴ معاملات کا علم

معاملات لین دین کو کہتے ہیں جس میں باپ کا بیٹے کو اور بیٹے کا باپ کو، مالک کا نوکر کو نوکر کا مالک کو، ضرورتمند کو قرضہ۔ قرضہ کی ادائیگی۔ غرضکہ کسی کا کسی کو دینا اور کسی کا کسی سے لینا۔ امانت کا رکھنا اور پہنچانا یا وقت پر ادا کرنا سب کچھ داخل ہے۔ اس کے طریقے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے دکھائے ہیں جو آپ کی سیرت اور حدیث کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ اگر یہ طریقے رائج ہو جاویں تو دنیا کے اندر کوئی بھیک مانگنے والا نظر نہ آوے۔ ہاں دینے والے ضرور پھرتے دکھائی دینے لگیں کہ ہے کوئی ضرورتمند جس کو ہم اپنا مال اور اپنی چیزیں دے سکیں۔ کتنے

بہترین طریقے ہیں لیکن حاصل کرنے والے نہیں اس لئے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ ان طریقوں کا علم حاصل کرے اور ان کے مطابق اپنے معاملات کو بنائے تاکہ دنیا اسلام کی طرف جھکے اور تجھے اپنے آقا اور معلم سمجھنے لگے اور تیرے پیارے نبیؐ کے طریقوں کی قدر و قیمت کو پہچانے۔

بس تبلیغ میں علم کے نمبر کا مقصد یہ ہی ہے کہ پوری زندگی کا علم حاصل کیا جانے لگے اور مسلم کی زندگی ان میں ڈھل جاوے۔

(ب) تیسرے نمبر کا دوسرا جزء ذکر ہے

ذکر کی حقیقت دل میں اللہ کے دھیان کا پیدا ہو جانا ہے۔ لیکن اس کا ذریعہ ذکر لسانی ہے جس میں قرآن پاک کی تلاوت۔ مسنون دعائیں اور صبح و شام کی تسبیحات سب ہی داخل ہیں۔ ذکر کے فضائل قرآن و حدیث میں بھرے ہوئے ہیں نمونہ کے طور پر چند کو یہاں لکھا جاتا ہے۔

ذکر کے فضائل

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے یاد کرو اپنے رب کو اپنے جی میں شوق اور رغبت کے ساتھ۔ اور ارشاد باری ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔ (قرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب مجھے وہ یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو اس مجمع سے بہتر (فرشتوں کے مجمع میں (جو کہ معصوم ہے) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ ایک

ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔ ایک اور ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہلِ جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق اور افسوس نہ ہوگا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گذر گئی ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو لوگ بھی اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

ذکر کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے چار محنتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اگر ان سے زیادہ کا شوق ہو تو کسی متبعِ سنت عالم اور بزرگ سے مشورہ کر کے بڑھا سکتے ہیں۔

ذکر کی پہلی صورت۔ قرآن پاک پر محنت کرنا۔

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور اس کو تمام کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ اللہ رب العزت کو تمام مخلوق پر۔ اس کے فضائل بے انتہا ہیں۔

قرآن پاک پڑھ جنت کی شکل

جس نے قرآن پاک حفظ یا ناظرہ پڑھ رکھا ہو وہ چوبیس گھنٹہ میں سے دن یا رات کا کوئی وقت مقرر کرے چاہے کم سے کم آدھ گھنٹہ ہی ہو۔ اور سب سے افضل پچھلی رات کا وقت ہے لیکن جس کے لئے جو بھی وقت آسان ہو اسی کو مقرر کرے اور اسی میں قرآن پاک کی تلاوت کرے۔

تلاوت کے فضائل

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حسد دو شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک کی تلاوت عطا فرمائی ہو اور وہ دن رات اس میں مشغول رہے۔ دوسرے وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مال کی کثرت عطا فرمائی ہو اور وہ

دن رات اس کو (اللہ کے نام پر) خرچ کرے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی (تلاوت) کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اسکو سب مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن قرآن والوں سے کہا جاوے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ بس تیرا مرتبہ وہ ہی ہے جہاں آخری آیت پر پہنچے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں تلاوت کی جاتی ہے سکینہ اور رحمت اس گھر میں نازل ہوتی ہے اور شیاطین اس گھر میں نہیں رہتے۔

قرآن پاک پر محنت کرنے کی دوسری شکل

جس نے قرآن پاک نہیں پڑھا اس کے لئے قرآن پاک سے نفع اور نور حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ وہ روزانہ گھنٹہ آدھ گھنٹہ مقرر کرکے کسی سے قرآن پاک سیکھنے کا اہتمام کرتا رہے۔ چاہے ایک آیت ہی سیکھ سکے۔ بس سیکھتا رہے اور آگے بڑھتا رہے کہ اسی میں عمر تمام ہو جائے۔ اگر اس نے قرآن پاک ختم کرنے کی نیت کرلی تو چاہے یہ ختم نہ کرسکے لیکن قیامت کے دن اس نیت کا پھل یہ ہوگا کہ اسے قرآن والوں کے ساتھ اٹھایا جاوے گا۔ کتنی بڑی فضیلت ہے۔

قرآن سیکھنے کے فضائل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے یا سکھاوے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ جو قرآن شریف سیکھتے ہیں ان کو حشر کے دن عرش کے سایہ کے نیچے رکھا جاوے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذرؓ اگر تو صبح کو ایک آیت قرآن شریف کی سیکھ لے

تو نوافل کی تلاوت رکعت سے افضل ہے۔

قرآن پاک پر محنت کرنے کی تیسری شکل

قرآن پاک سے نفع اٹھانے کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف نہیں پڑھ سکا اور نہ اب پڑھنے کی ہمت ہے تو وہ کسی سے سننے کا اہتمام کرے کہ نفع سے یہ بھی خالی نہیں اور اس کے بھی بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

سننے کے فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کے لئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے اور جو خود تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔

یہ مضمون بہت سی روایات سے مؤید ہے کہ کلام پاک کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کو پڑھنے سے بھی افضل بتلایا ہے۔ ایک دفعہ سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہ کلام مجید پڑھ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک کھڑے ہوئے سنتے رہے اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن پاک سنا تو تعریف فرمائی۔

قرآن پاک پر محنت کی نیکی چوتھی شکل

قرآن سے نفع اور نور حاصل کرنے کی ایک چوتھی شکل بھی اپنے بزرگوں سے اس تواتر سے سنی ہے کہ اس کے نفع اور نور سے انکار کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت معلوم نہ ہو سکا۔ اگر تلاش کیا جاوے تو شاید کہیں مل بھی جاوے۔ لیکن محبت والوں کے لئے تو بہانہ چاہیئے کہ جس کو اللہ رب العزت سے اور ان کے کلام سے محبت ہوگی وہ پھر کوئی نہ کوئی راستہ ان سے تعلق اور ان کی یاد کا نکال ہی لیتا ہے۔ کسی نے

سچ کہا ہے۔ ؎

محبت گر نہ ہو مشکل ہیں آداب محبت بھی محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دیگی

بس اس چوتھی شکل کو محبت والوں کی وجہ سے لکھتا ہوں۔ اگرچہ دلائل نہیں پیش کر سکتا۔ ہاں اس کے واقعات کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دو واقعہ آخر میں پیش کروں گا۔ انشاء اللہ۔ قرآن پاک سے نفع اور نور حاصل کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ جو لوگ تلاوت کرنے اور سیکھنے اور سننے سے معذور ہیں۔ یعنی کہیں ایسی جگہ رہتے ہیں کہ جہاں ان تینوں شکلوں میں سے کسی شکل تک بھی صورت نہیں یا اپنی جسمانی معذوری درپیش ہے کہ کہیں آجا نہیں سکتے تو ایسے لوگ بھی قرآن پاک سے نفع اور نور حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ کوئی وقت مقرر کر کے اچھی طرح وضو کریں، خوشبو لگائیں اور قبلہ رُخ بیٹھ کر قرآن پاک کو کھولیں اور ایک ایک سطر پر انگلی پھیرتے جاویں اور کہتے جاویں کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ اس طرح کہ دل میں عظمت و محبت ہو۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔ انشاء اللہ اس طرح کرتے رہنے سے بھی قرآن پاک کا نور حاصل ہو جاوے گا۔

واقعہ:۔ ایک قصہ اہل اللہ کی حکایات میں پڑھا تھا کہ ایک اللہ کے ولی اور نیک و صالح بزرگ سفر کر رہے تھے۔ ایک قبرستان سے گذر ہوا تو دیکھا کہ ایک تازہ قبر سے آسمان تک انوار کا ایسا سلسلہ جاری ہے کہ گویا نور کا ستون بن گیا ہے۔ ان کو بہت تعجب ہوا کہ دیہات میں ایسا کون بزرگ پیدا ہو گیا کہ جس کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہے کہ انوار کی بارش ان کی قبر پر ہو رہی ہے۔ تحقیق کے واسطے بستی میں پہنچے تو ان کی بیوی سے معلوم ہوا کہ ان کا معمول یہ تھا کہ روزانہ فلاں وقت اچھی طرح وضو کرتے پھر خوشبو لگاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر قرآن کھول کر ایک ایک سطر پر انگلی پھیرتے جاتے اور کہتے رہتے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ یہ میرے رب کا کلام ہے۔ اور اس قدر روتے رہتے کہ دم گھٹ گھٹ جاتا کہ ایسی حالت میں موت آگئی ویسے یہ ان پڑھ تھے کہ کچھ بھی نہ پڑھا تھا۔ بزرگ نے کہا کہ بیشک یہ

قرآن کا ہی نور ہے جو ان کی قبر پر برس رہا ہے۔

بس ایک واقعہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں کہ طوالت آجکل کے لوگوں پر بار بن جاتی ہے اور دین کی بڑی کتابوں کو پڑھنے سے ہی گھبرانے لگ جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت کے آداب

ضروری معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت کے کچھ آداب بھی لکھ دیئے جاویں کہ ع "بے ادب محروم گشت از فضل رب"۔ بس سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ قرآن پاک کی محبت و عظمت دل میں پیدا کی جاوے کہ ع "محبت تجھ کو آداب محبت بھی سکھا دے گی"۔ اور جب تلاوت کا ارادہ کرے تو پہلے مسواک کرے پھر اچھی طرح وضو کرے اور کسی تنہائی کی جگہ میں نہایت وقار و تواضع کے ساتھ رو بہ قبلہ بیٹھے اور نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ لطف و مزہ والی کیفیت کے ساتھ اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق تعالیٰ سبحانہٗ وعزاسمہٗ کو کلام پاک سنا رہا ہوں اگر ہو سکے تو خوشبو بھی لگائے۔ درمیان میں کسی سے بات نہ کرے۔ اگر کوئی ضروری بات کرنی ہو تو قرآن پاک کو بند کر کے بات کرے اور پھر اعوذ پڑھ کر شروع کرے۔ زیادہ تفصیلی آداب حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کی فضائل قرآن میں ملاحظہ فرمالیں۔

ذکر کی دوسری صورت: صبح و شام کی تسبیحات

احادیث میں بہت سی انواع کے ذکر بتائے گئے ہیں اور ہر ایک کے مستقل فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ تبلیغ میں ہر سطح اور ہر طبقہ کے مسلمان آتے ہیں۔ ان کی رعایت کی وجہ سے صرف تین تسبیحات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ایک کلمہ سوئم۔ دوسرے استغفار۔ تیسرے درود شریف۔ اسلئے اب ان کے علیحدہ علیحدہ مختصر فضائل لکھے جاتے ہیں۔

(۱) اوّل کلمہ سوئم یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے فضائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شب معراج میں جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا کہ جنت کی نہایت عمدہ پاکیزہ مٹی ہے اور بہترین پانی ہے لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یعنی درخت سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں جتنے کسی کا دل چاہے لگالے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کلموں میں سے ہر کلمہ کے بدلے ایک درخت جنت میں لگایا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سو مرتبہ پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو غلام عرب آزاد کئے اور الحمد للہ سو مرتبہ پڑھا کرو۔ اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو گھوڑے مع سامان اور لگام وغیرہ جہاد میں سواری کے لئے دئے۔ اور اللہ اکبر سو مرتبہ پڑھا کرو یہ ایسا ہے گویا تم نے سو اونٹ قربانی میں ذبح کئے اور وہ قبول ہوگئے۔ اور لا الٰہ الا اللہ سو مرتبہ پڑھا کرو اس کا ثواب تو تمام آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔ غرضکہ حدیث کی کتابوں میں بے شمار فضائل اس کلمہ کے بیان کئے گئے ہیں نمونہ کے طور پر اسی قدر کافی ہیں کہ کرنے والے کے لئے ایک بھی کافی ہے۔

(ب) اِستغفار کے فضائل

خود حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اپنے گناہوں پر استغفار کرتے رہو۔ ایک اور ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی امت پر اس وقت تک کوئی عذاب نہ بھیجوں گا جب تک آپ ان میں موجود ہیں یا یہ استغفار کرتے رہیں گے۔

فائدہ:- استغفار کرتے رہنا کتنی بڑی نعمت ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ فرما رہے ہیں کہ امت کے عذاب سے بچنے کی دو ہی شکلیں ہیں:

یا وجودِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا استغفار کی کثرت۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تشریف لے جا چکے لیکن آپؐ کے وجود کا بدل اللہ رب العزت نے قیامت تک کے لئے امت کو عطا فرما دیا کہ استغفار کرتی رہے۔ کتنا آسان اور سہل نسخہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں دن میں ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ ایک جگہ ارشاد ہے دن رات میں ستّر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں، ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ ایک مجلس میں ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ زمین اور آسمان کے درمیان کو بھر دیں اور تو میری طرف رجوع کرے اور استغفار کرے تب بھی میں تیری مغفرت کر دوں اس طرح کہ تو ایسا ہو جاوے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ غرضکہ استغفار کے فضائل قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہیں لیکن استغفار کے الفاظ مختلف ہیں۔

ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ کی تعلیم دی۔ غرضکہ احادیث میں متعدد قسم کے الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کئے گئے ہیں جو بھی یاد ہو جاوے یا جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اسی کا ورد کر لیا جاوے کہ مقصد دل سے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے لیکن عام طور سے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ کا ورد زیادہ تر بتایا جاتا ہے کہ اس میں استغفار بھی ہے اور توبہ بھی۔

(ج) تیسرے۔ **دُرُودِ شریف** درود شریف کے فضائل کثرت

سے کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے اہم اور مقدم خود حق تعالیٰ شانہٗ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کا پاک ارشاد اور حکم ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پ۲۲ ع۴)	بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ جل شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے فرشتے اس پر ستر دفعہ درود بھیجتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے سامنے میرا نام آوے اس کو چاہیئے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔ غرضکہ درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف سے ثواب اور رفع درجات اور نجات دلانے میں کوئی عمل بھی نہیں بڑھ سکتا۔

تسبیحات کی ترتیب

ان تین تسبیحات کی ترتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ اس طرح فرمایا کرتے تھے اور بندے کو خود کو بھی یہ ترتیب بتلائی کہ سوئم کلمہ کی ایک ایک تسبیح صبح و شام وقت کے تعین کے ساتھ پوری کی جاویں کہ اور استغفار اور درود شریف کی دو دو تسبیح ایک وقت کو مقرر

کر کے پوری کر لی جاویں اور دوسری ترتیب یہ ہے کہ جو عام ہے کہ تینوں تسبیحات کی ایک ایک تسبیح صبح و شام پوری کر لی جاویں۔ وقت کا تعین اس میں ضروری اور مفید ہے۔

درود شریف کے بارے میں یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کوئی چھوٹا درود شریف یاد کر کے اسے روزانہ پڑھا جاوے اگرچہ نماز والا درودِ ابراہیمی کی فضیلت بہت ہے لیکن طویل ہونے کی وجہ سے ہر حال میں پورا کرنا ہر ایک کے لئے مشکل ہو جاوے گا۔ اور چھوٹے چھوٹے درود شریف بہت ہیں۔ فضائل درود شریف میں سے کسی کا انتخاب کر کے یاد کر لے اور اسی کا ورد رکھے۔

ذکر کی تیسری صورت۔ مسنون دعائیں

ذکر کی تیسری شکل یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کا اہتمام کرے جن کا آپ نے وقت اور عمل کے اعتبار سے اپنی مبارک زندگی میں اہتمام فرمایا ہے۔ مثلاً صبح و شام کی دعائیں، گھر میں داخل ہونے اور نکلنے، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے، سونے اور جاگنے۔ بیت الخلاء وغیرہ وغیرہ سب قسم کی دعائیں شامل ہیں اور تبلیغ کی برکت سے اس زمانے میں اردو دانوں کی سہولت کے لئے حضرات علماء کرام نے ان کو چھوٹے چھوٹے رسالوں میں جمع فرما کر مسنون و مقبول دعائیں کے نام سے شائع کر دیا ہے ان دعاؤں کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مختصر یہ کہ خداوند کریم سے وقت کی خیر حاصل کرنے اور اس وقت کی بلا سے بچنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے اور بہت مجرب ہے اور سب سے افضل بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

ذکر کی چوتھی صورت

ذکر کی چوتھی شکل یہ ہے کہ اپنی زبان کو کسی ذکر کا عادی بنانے کی کوشش کی جاوے کہ کام کرتا رہے اور زبان پر ذکر جاری رہنے لگے۔

اس میں کوئی قید نہیں کہ فلاں ذکر ہی ہو بلکہ جس ذکر سے جس کو مناسبت ہو اسی کی عادت ڈالے۔ مثلاً درود شریف۔ استغفار یا سبحان اللہ وغیرہ۔ اس عادت کے پڑ جانے سے زبان غیر ضروری باتوں سے محفوظ بھی رہیگی اور اجر و ثواب بھی ملتا رہے گا۔

ذکر کی چار شکلیں ہوئیں۔ ان کے علاوہ سے انکار نہیں۔ آسانی اور سہولت کے لئے ان شکلوں کو پیش کر دیا ہے۔ یوں تو اللہ کا نام کسی طرح بھی لے لیا جاوے نفع سے خالی نہیں کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی جان لو اور خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کا اطمینان ہے۔ اطمینانِ قلب نہ مال کی فراوانی اور کثرت میں ہے نہ اسباب اور سامانِ عیش و راحت کی زیادتی میں ہے۔ نہ بڑے بڑے عہدوں اور بادشاہت میں ہے۔ یہ دولت اگر ہے تو صرف اللہ کی یاد میں ہے۔ اگر اللہ کی یاد دل میں آگئی تو پھر گدڑی اور چٹائی پر سوکر اور جھونپڑے میں رہ کر بھی وہ سرور اور بے فکری میسّر ہوتی ہے کہ جس کو دنیا کے بازاروں میں کسی قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا۔

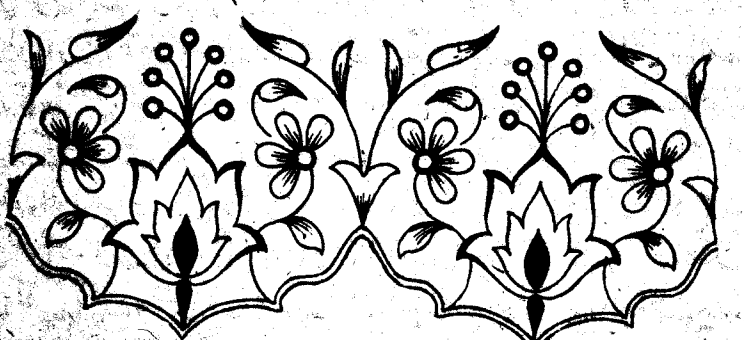

چوتھا نمبر ــــ اکرامِ مسلم

سابقہ تین نمبر یعنی کلمہ۔ نماز۔ علم و ذکر سے انسان کے دل کی حالت و کیفیت میں پاکیزگی اور صفائی اور اعضاء و جوارح میں صحیح عمل کرنے کی استعداد و صلاحیت اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ ان مذکورہ اعمال اور ان پر محنت نہ کی جاوے تو سدھار کی کوئی شکل ہی نہیں بلکہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ اگر دنیا کی زندگی میں یہ بات سمجھ میں آگئی تو غنیمت ہے کہ زندگی سدھار سکتا ہے اور محنت کا موقع ہے۔ ورنہ دنیا کی زندگی کی آخری منزل اور آخرت کی زندگی کا دروازہ یعنی موت سارے ہی انسانوں کو سمجھا دیتی ہے لیکن اس وقت کا سمجھنا بے سود اور بے کار ہے کہ کرنے کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور نتیجہ یا ثمرات کے ملنے کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کی طرف سے شفیق و مربی اور محسن انسانیت اور صادق و مصدوق امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو زندگی گذارنے اور زندگی بنانے کے ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ طریقے مرحمت فرمائے ہیں کہ ان سے بہتر طریقے ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر صدہا برس تلاش کیا جاوے اور دنیا بھر کی ساری کتابوں کی چھان بین کر لی جاوے تب بھی کوئی ایک بات تبھی ایسی نہیں مل سکتی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ادنیٰ بات یا ادنیٰ طریقہ کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ قرآن پاک میں خود خالق و مالک اور قادر مطلق اللہ رب العزت نے پوری انسانیت کو چیلنج کیا ہے کہ اے دنیا کے بادشاہو اور وزیرو! اے عقلمندو اور ادیبو! اے شاعرو اور سائنسدانو! تم سب مل کر بھی ایک بات ہی ایسی پیش کر دو جو قرآن پاک کی کسی چھوٹی سے چھوٹی آیت کی مشابہت یا مقابلہ کر سکے۔ اس اعلان کو آج تقریباً چودہ سو سال ہو گئے لیکن اب تک کوئی ایسا انسان پیدا

نہ ہو سکا جو اس چیلنج کا جواب دے سکے اور یہ دعویٰ ہے کہ قیامت تک بھی کوئی ایسا پیدا نہیں ہو سکتا جو اس کا جواب پیش کر سکے۔ بہرحال کلمہ سے روح اور نماز سے جسم صحیح ہوتا ہے اور علم سے صحیح راستہ ملتا ہے اور ذکر سے روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن انسان کتنا ہی حسین و خوبصورت ہو جبتک اس کے جسم کو لباس سے آراستہ نہ کیا جاوے وہ برا اور قابلِ نفرت ہی رہتا ہے۔ ننگے آدمی کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا چاہے کتنا ہی حسین ہو اور اگر لباس بہترین ہو تو پھر بدشکل سے بدشکل کو بھی پسند کیا جاتا ہے اس لئے اکرام کا نمبر بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے چار درجات ہیں۔ اول حقوق۔ دوسرے اخلاق۔ تیسرے ایثار۔ چوتھے اکرام۔ ہر درجہ اپنے اعتبار سے نہایت ہی اہم ہے۔

درجہ اوّل۔ حُقُوق

اکرام کے نمبر میں سب سے مقدم یہ ہے کہ حقوق کو معلوم کر کے ان کی ادائیگی کی جاتی رہے۔ جس میں والدین کے حقوق۔ پڑوسیوں کے حقوق۔ عورت کے خاوند پر اور خاوند کے عورت پر حقوق۔ مسافر کے مسافر پر۔ مسافر اور اجنبی کے مقامیوں پر۔ محکوم کے حاکم پر اور حاکم کے محکوم پر۔ غریب کے مالداروں پر۔ مالدار کے غریبوں پر۔ چھوٹوں کے بڑوں پر اور بڑوں کے چھوٹوں پر۔ یہاں تک کہ جانوروں کے بھی حقوق داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تھا۔ اللہ کو اس کا یہ عمل اس قدر پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرما دی اور دوسری حدیث میں دوسرا واقعہ ہے کہ ایک عورت نے جو کہ عابدہ بھی تھی ایک بلی کو پالا اور بھوکی رکھا تو اس کو اس فعل پر عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ جب جانوروں کے بارے میں اس قدر انعامات یا گرفت ہے تو انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کے حقوق کی ادائیگی کس قدر ضروری اور اہم ہوگی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حقوق کی باز پرس ہوگی اور اللہ رب العزت خود فیصلہ فرما رہے ہوں گے

قیامت کی احادیث میں یہ بھی ہے کہ اگر بے سینگ والی بکری کو سینگوں والی بکری نے مارا ہوگا تو قیامت کے دن بے سینگ والی کو سینگ دیکر اور سینگوں والی کو بے سینگ رکھ کر اللہ بدلہ دلائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کے دو پیسے بھی ادا نہ کئے ہونگے تو قیامت کے دن اُن دو پیسوں کے بدلے ساڑھے سات سو نمازیں دینی پڑینگی۔ اور اگر کسی کے پاس نیکی نہ ہوگی تو حق والے کے گناہ حق ادا نہ کرنے والے کی طرف منتقل کرکے بدلہ دلایا جاوے گا۔ اس لئے حقوق کو معلوم کرنا اور ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ حدیث میں ہے:۔

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ۔ — تم میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے جس سے دوسروں کو نفع پہنچے:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ۔ — زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا (خداوند کریم) تم پر رحم کرے گا۔

تیسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ۔ — اللہ رب العزت بندے کی اس وقت تک مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ اللہ کے بندوں کی مدد کرتا رہتا ہے۔

درجہ دوم۔ اَخلاق

اکرام کے نمبر میں دوسری محنت اخلاق کو بنانے کی ہے۔ اخلاق پسندیدہ عادات کو کہتے ہیں لیکن اس کا معیار اور ترازو اللہ رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو مقرر کیا ہے اس کے مطابق اپنی عادات کو بنانا اور سنوارنا اخلاق میں شمار کیا جاوے گا۔ اگر اس کے خلاف ہے تو پھر اسے اخلاق نہیں کہہ سکتے کیوں کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا فرمان ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ — بیشک آپ بلند اور اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔

پس جس ذات کے اخلاق کی تصدیق خود حق تعالیٰ شانہٗ اس قدر بلند الفاظ میں فرماتے ہوں ان سے بڑھ کر کون اخلاق والا ہو سکتا ہے۔ بس

اخلاق کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہی سیکھا جا سکتا ہے۔

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اخلاق انسان کے لباس کے مانند ہیں۔ اگر انسان میں اچھے اخلاق ہوں تو سب کو پسند اور محبوب ہوتا ہے اور اگر اخلاق خراب ہوں تو اپنے بھی نفرت اور برائی کرتے ہیں۔ آپکے اخلاق شمائل ترمذی میں کچھ جمع کئے گئے ہیں۔ یہاں اختصار کی وجہ سے درج نہیں کئے گئے۔ البتہ "عطرِ حیات" میں اس کی کچھ تفصیل کی گئی ہے۔

درجہ سوم۔ ایثار

ایثار اخلاق کے کمال کو کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت قربان کر کے دوسرے کی ضرورت کو پورا کر دینا اور حدیث میں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ اپنے کو اللہ والے اخلاق سے آراستہ کرو۔

اس حدیث میں اسی کی دعوت ہے کہ اللہ رب العزت کے اخلاق یہ ہیں جو کہ ہر مخلوق پر قدرت رکھتے ہیں۔ جس کو چاہیں پیدا کریں جسے چاہیں ختم کر دیں۔ جس کو چاہیں عزت دیں جس کو چاہیں ذلیل کریں۔ جس کو چاہیں کھانے کو دیں اور جس کو چاہیں بھوکا رکھیں اور دنیا کی کوئی مخلوق چاہے وہ فرشتے ہوں یا انسان، جنات ہوں یا حیوان، یہاں تک کہ زمین و آسمان، چاند و سورج، پانی اور ہوا، سمندر اور پہاڑ سب پر حاوی اور قادر ہیں کہ ان کے ارشاد کے بغیر کوئی مخلوق حرکت نہیں کر سکتی۔ اور سب کے قریب ہیں کہ فرماتے ہیں:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔ یعنی میں تمہاری شہ رگ سے زیادہ تمہارے قریب ہوں۔ (سورۂ ق ع ۱۰)

اور کرنے میں اتنے قادر کہ خود فرماتے ہیں:۔

اِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (سورۂ یٰس ع ۵)	کہ جب وہ کسی شے کے کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو صرف کُن فرماتے ہیں اور وہ ہو جاتی ہے۔

لیکن اس سب کے باوجود ایسے اخلاق والے ہیں کہ سب کو کھلاتے ہیں خود نہیں کھاتے۔ کیونکہ وہ ہر چیز سے پاک ہیں۔ سب کی ہر قسم کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ خود کسی کے کسی وقت اور کسی کام اور شے میں محتاج نہیں لیکن انسان محتاج ہے۔ یہ کھانے کا محتاج ہے۔ کپڑوں کا محتاج، مکان کا محتاج۔ غرضکہ محتاج ہی محتاج ہے۔ ہوا کا محتاج۔ پانی کا محتاج۔ کیا ایک احتیاج ہے۔ ہزاروں قسم کی احتیاج میں مبتلا ہے۔ پھر یہ اللہ والے اخلاق سے کیسے آراستہ ہو سکتا ہے لیکن انسان پر اللہ کی شفقت اور اکرام ہے کہ اگر یہ ایثار پیدا کرے تو اس صفت کو اپنے والے اخلاق قرار دے لیتے ہیں۔ ایثار کے واقعات اگر دیکھنا ہوں تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پاک کا مطالعہ کریں۔ بس مختصر یہ ہے کہ دوسروں کو کھلاتے ہوئے، خود کھانا۔ دوسروں کو پہناتے ہوئے خود پہننا۔ دوسروں کی ضرورتیں پورا کرتے ہوئے اپنی ضرورت پوری کرنا ایثار میں داخل ہے۔ مثلاً: ایک آدمی بھوکا ہے اور اس کے پاس دو روٹیاں ہیں کہ اپنا پیٹ ہی بمشکل بھر سکتا ہے۔ اب وہ کھانے کے لئے بیٹھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آگیا اور کہنے لگا میں بھوکا ہوں۔ اب اخلاق تو یہ بھی کہلائے گا کہ ایک روٹی خود کھالے اور ایک سائل کو دے دے لیکن ایثار یہ ہے کہ دو کی دو اسکو دیدے اور خود بھوکا رہ جائے۔ ایک واقعہ پر اس مضمون کو پورا کرتا ہوں کہ کرنے والوں کے لئے ایک بھی کافی ہے اور نہ کرنے والوں کے لئے اگر سیکڑوں واقعات درج کر دئے جائیں تو بے سود ہیں۔

ایک صحابی کا روزہ دار صحابی کے لئے چراغ بجھا دینا ایک صحابی روزہ

پر روزہ رکھتے تھے اور افطار کے لئے کوئی چیز میسر نہ آئی تھی۔ حضرت ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا اور بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا۔ جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جاوے خود نہ کھانا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کہ کھا رہے ہوں۔ صبح کو حضرت ثابتؓ جب حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کا تمہارے اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت ہی پسند آیا۔

ایسے سیکڑوں واقعات حضرات صحابہ کرامؓ کے حدیث کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، ان کی اسی صفت پر حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی اس طرح تعریف فرمائی:

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ

کہ وہ (آپ کے صحابہؓ) اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو اپنے اوپر تکلیف اٹھانی پڑے

درجہ چہارم۔ اکرام

چوتھے نمبر کا چوتھا درجہ اکرام ہے۔ جس کے بارے میں خود حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمادیا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ

تم میں سے اکرام کے قابل وہ شخص ہے جس میں تقویٰ پایا جاوے۔

اکرام عزت و احترام کو کہتے ہیں اور اللہ نے قابلِ احترام اہلِ تقویٰ کو قرار دیا ہے جس میں تقویٰ نہ ہو وہ اس زمرہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور تقویٰ کے درجات بہت ہیں لیکن اس کی ابتداء کلمۂ طیبہ کے پڑھنے اور اقرار کرنے کے بعد سے ہوجاتی ہے کہ یہ کلمہ تقویٰ کا کلمہ کہلاتا ہے۔ کہ اس کلمہ کی تصدیق دل سے اور زبان سے پختہ اقرار کرلینا تقویٰ کے دروازے میں داخل کردیتا ہے۔ پھر اس کا احترام واجب ہوجاتا ہے کیونکہ اس کلمہ کی اللہ رب العزت کے ہاں بہت قیمت ہے کہ یہ ہی وہ کلمہ ہے کہ جس کے

ذریعہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آدمی داخل ہو سکتا ہے۔
اس کے کچھ فضائل پہلے نمبر کے ذیل میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اکرام کے نمبر کے ماتحت جو تین درجے لکھے گئے ہیں۔ یعنی حقوق۔ اخلاق۔ ایثار وہ سب کے لئے یکساں ہیں۔ چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ چاہے بھائی ہو یا غیر ہو۔ لیکن اکرام کے لئے مسلم ہونا شرط ہے اور اس میں صرف دل کی کیفیت اور نیت کا فرق ہوگا۔ بظاہر چنداں فرق محسوس نہیں ہوتا۔

کلمہ گو چاہے کیسا ہی ہو اور کتنا ہی بدعمل ہو لیکن اس کی ذات کا اکرام کیا جاوے اور اس کے بُرے اعمال کی دل میں بھرپور نفرت کی جاوے اور اسے راہِ راست پر لانے کی پوری فکر اور محنت کی جاوے اور اس کی محبت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اپنا بچہ ہو اور وہ پاخانہ کر کے اس میں لت پت ہو جاوے تو پاخانہ سے تو نفرت ہی ہوگی لیکن اس کی وجہ سے بچہ کو چھوڑا نہیں جا سکتا بلکہ فوراً اٹھا کر اسے پاک کیا جاوے گا اور پھر محبت سے گود میں لے کر چھاتی سے چمٹا لیا جاوے گا کیونکہ اس سے فطری محبت ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہی ہے کہ گندگی سے پاک کرنا اور ذات سے محبت کرنا۔

بس مومن کی ایمانی صفت کا تقاضہ بھی یہ ہی ہے کہ ذات سے محبت کی جاوے اور برائیوں سے نفرت اور برائیوں میں پڑا دیکھ کر دل میں رنج اور دکھ ہو اور کسی بہترین تدبیر اور ترکیب کے ساتھ اسے ہٹانے کی کوشش کرتا رہے۔

ان چاروں شکلوں کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کی منشا اور حکم کے مطابق معاملہ کرنا۔ یہ ہی "تخلقوا باخلاق اللہ" کا مفہوم ہے۔

پانچواں نمبر تصحیح نیت

پانچواں نمبر سارے اعمال میں جاری وساری ہے کہ نیت کو صحیح کئے بغیر کوئی عمل بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اور نیت دل کے اندر کے جذبہ اور ارادے کو کہتے ہیں۔ اگر دل میں ارادہ صرف دنیا بنانے اور کمانے کا ہے تو عمل کو دنیا قرار دیا جائے گا۔ اور اگر دل کا ارادہ کسی انسان کو خوش کرنے کا ہے تو اسے ریا قرار دیا جاوے گا۔ بس جس طرح تمام چیزوں کو جانچنے اور پرکھنے کی کوئی نہ کوئی علامت یا ترازو، یا آلہ رکھا گیا ہے اسی طرح نیت کو پرکھنے کی کسوٹی بھی مقرر اور طے شدہ ہے۔ اگر عمل کی وجہ اللہ ہے تو اسے اخلاص کہتے ہیں۔ اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی نجات کا ذریعہ اور کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور بغیر اخلاص کے بڑے بڑے نیک عمل بھی رد کر دئے جاتے ہیں۔ نیت کو صحیح کرنے کے لئے چار محنتیں ہیں۔

(۱) ریا کو دل سے نکالنے کی محنت

ریا کے معنی لغت میں "دکھلاوا" کے کئے ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ جو عمل اللہ کے غیر کی وجہ سے کیا جاوے وہ ریا ہے۔ یا جو اللہ کے غیر کی خوشی کے لیے کیا جاوے وہ ریا ہے۔ اہلِ معرفت نے ایک عجیب بات فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک میں لکھا ہے کہ:-

"ریا یہ نہیں کہ نیک عمل کو کسی کے دکھلاوے کیلئے کیا جائے۔ یہ تو شرک ہے۔ ریا تو اسے کہتے ہیں کہ کسی نیک عمل کو لوگوں کی ہنسی مذاق یا شرم کی وجہ سے چھوڑ دے"۔

بعض حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ریا کو شرک سے تعبیر فرمایا ہے اگرچہ علماء نے اسے شرکِ اصغر سے تعبیر کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ میں سب شرکاء میں شرکت سے بہت بے نیاز ہوں یعنی دنیا کے شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور میں خلاق علے الاطلاق ہوں۔ بے پرواہ ہوں۔ غیر کی شرکت سے بیزار ہوں۔ جو شخص کوئی عمل ایسا کرے جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرے میں اس کو شریک ہی کے حوالے کر دیتا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہو جاتا ہوں۔ (فضائل تبلیغ) ایک دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے شہید کو بلایا جائے گا اور اللہ رب العزت نے جو انعام اس پر کئے تھے گنوائیں گے وہ سب کا اقرار کرے گا۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ ان میں تو نے میرے لیے کیا عمل کیا وہ جواب دے گا کہ اے میرے رب میں نے تیرے راستے میں قتال کیا یہاں تک کہ خود شہید ہو گیا۔ فرمائیں گے جھوٹ کہا۔ تو نے قتال اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں سو کہا جا چکا۔ پھر اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اس کے بعد ایک عالم کو بلایا جائے گا جس نے علم سیکھا تھا اور سکھایا تھا اور قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس پر اللہ رب العزت اپنے انعام گنوائیں گے اور وہ اقرار کرے گا۔ پھر پوچھا جاوے گا تو نے ان میں کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا اے میرے مولا میں نے تیرے دین کے علم کو سیکھا اور سکھایا اور تیرے کلام پاک کی تلاوت کرتا رہا۔ ارشاد ہو گا تو نے جھوٹ کہا۔ بلکہ یہ تو نے اس لیے کیا تھا کہ لوگ تجھے عالم اور قاری کہیں سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد اسے بھی اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اس کے بعد ایک ایسے شخص کو بلایا جاوے گا جس کو اللہ نے مال کی مختلف قسمیں عطا فرمائی تھیں اور اللہ رب العزت اس پر اپنے انعامات کو گنوائیں گے وہ سب کا اقرار کرے گا۔ ارشاد

ہوگا تو نے ان میں ہمارے لئے کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! میں نے کوئی جگہ ایسی نہ چھوڑی کہ جہاں تو خرچ کرنے سے راضی ہو اور میں نے وہاں خرچ نہ کیا ہو (یعنی آپ کی مرضیات کی تمام شکلوں پر میں نے دل کھول کر خرچ کیا) ارشاد ہوگا تو نے جھوٹ کہا۔ بلکہ یہ تو نے اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد اسے بھی اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ (ریاض الصالحین)

غور فرمائیں کہ کیسے کیسے اونچے عمل کرنے والوں کا صرف نیت کی خرابی یعنی ریا کی وجہ سے کیا حشر ہوا کہ شہادت جیسا اونچا عمل اور تعلیم تعلم اور قرآن اور صدقہ وخیرات جیسے اللہ کے پسندیدہ اعمال صرف ریا کی وجہ سے مردود قرار دئے گئے اور عمل کرنے والے جہنم میں ڈال دئے گئے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ بہت دیر میں دل سے نکلتا ہے اور انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ میرے اندر ریا کا وجود ہے بلکہ اپنے کو مخلص ہی سمجھتا رہتا ہے۔ اس لیے اپنی نیات کو ٹٹولتے رہنا چاہیئے اور ریا کو ختم کرنے کی پوری کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔

(ب) وَجْہِ عَمَلُ اللّٰہ کو قرار دینا

دوسری محنت تصحیح نیت کی یہ ہے کہ اپنے ہر عمل میں یہ کوشش کی جاوے کہ میں اسے اللہ کے لئے کر رہا ہوں یعنی نیکی اس لیے کرنا کہ اللہ راضی ہوتے ہیں۔ برائی اور گناہ سے اس لیے بچنا کہ اس سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ چاہے وہ کام دنیاوی زندگی کے تقاضوں کی بنا پر کیا جاوے یا نفس کے تقاضوں کی بنا پر کیا جاوے یا آخرت کے بنانے کی غرض سے کیا جاوے یعنی دین و دنیا کے سارے کام اللہ کی وجہ سے کرنے آجاویں۔ عبادات۔ معاشرت۔ معاشیات اور معاملات سب کا یہ حال بن جاوے اسکو شریعت میں اخلاص کہتے ہیں۔ اخلاص کی برکت سے معمولی معمولی کام بھی بڑے بڑے درجات دلانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر ایک کے لئے وہ ہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ دوسری حدیث میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہم ایک غزوہ کے لیے جارہے تھے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو ہمارے سفر کے ثواب میں پورے پورے شریک ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہم کسی وادی میں سے گزرتے ہیں تو اس کا ثواب اور جو ہم سفر میں قدم رکھتے ہیں ان سب کے ثواب میں وہ برابر کے شریک ہیں (کیونکہ ان کی نیت سفر کی تھی) لیکن ان کو ان کے مرض نے روک دیا۔

غرضکہ نیت کو بنانے کی پوری محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم بے فکری سے زندگی گزار رہے ہیں اور اس کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔

(ج) استخلاص کا پہلا درجہ

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے بادشاہِ مصر کا یوسف علیہ السلام کے بارے میں قول نقل کیا ہے:

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ۔ کہ میں یوسف علیہ السلام کو خاص اپنے لیے خاص کردوں گا۔ تو استخلاص اسی کو کہتے ہیں کہ بالکلیہ کسی کا ہو رہنا۔ یہ ہی عرف میں مقام رضاء بر قضاء کہلاتا ہے۔ یوں تو اسلام کے طریقے ایسے ہیں کہ اگر ان کے مطابق زندگی بنالی جاوے تو سارے ہی امورِ عبادت بن جاتے ہیں۔ چاہے وہ کھانے کمانے کے ہوں۔ یا لینے دینے کے۔ چاہے وہ ٹٹی پیشاب سے فراغت حاصل کرنے کے لئے گئے جاویں اور چاہے نفس کے تقاضے کو بیوی سے پورا کرنے کی غرض سے کیا جاوے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق عمل کیا جاوے گا وہ باعثِ اجر و ثواب اور اللہ کی خوشنودی کا سبب بنے گا۔ لیکن اللہ رب العزت نے زندگی کو

پاکیزہ اور اپنی رضاء کے طریقوں پر بنانے کی محنت کے لیے عبادات کے نام سے جو اعمال اور احکامات عطا فرمائے ان کو خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں اخلاص کی مشق کی وجہ سے زندگی پاکیزہ اور دل صاف وشفاف ہو کر رضاء بر قضاء کے مقام تک انسان پہونچ جاتا ہے۔ اور عبادات میں نماز کا عمل بہت ہی خاص ہے۔

عبادت اسے کہتے ہیں کہ جس عمل میں دنیاوی اور نفسانی تقاضہ کی شرکت کا شائبہ بھی نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ حج۔ اگر دیکھا جاوے تو سوائے دیوانگی کے کوئی نفع دکھائی نہیں دیتا۔ زکوٰۃ کہ جس میں سوائے مال کے کم ہونے کے کوئی نفع نہیں دکھائی دیتا۔ روزہ۔ کہ جس میں سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کوئی نفع کی شکل نہیں دکھائی دیتی لیکن ان کے بالمقابل زراعت، تجارت وغیرہ میں کھلم کھلا نفع دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے ان شکلوں میں تو مومن اور غیر مومن سب ہی شریک ہیں۔ لیکن مومن کی خصوصیت کیا ہے وہ عبادات والی لائن سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن ان اعمال کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کے کرنے میں بالکلیہ استخلاص نہیں بلکہ ان کے کرتے ہوئے بہت سے کام جائز رکھے گئے ہیں، مثلاً حج اگرچہ بڑا حکم ہے لیکن اس میں کھانا۔ پینا۔ لینا دینا۔ لیٹنا۔ سونا۔ چلنا پھرنا۔ سب جائز ہیں اور ان سے حج میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح زکوٰۃ اگرچہ بڑی عبادت ہے لیکن اسمیں بھی سارے جائز امور کو انجام دیتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو سکتی ہے اور اسمیں کچھ کمی یا فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح روزہ بہت اونچا عمل اور اللہ کی رضا کا اعلیٰ ذریعہ ہے لیکن اس میں بھی سوائے کھانے پینے کے سارے جائز امور انجام دئے جا سکتے ہیں۔

اس لیے اگرچہ یہ ارکان اسلام اور اہم امور اور اعلیٰ عبادات میں سے ہیں لیکن پورا پورا استخلاص کا ظہور ان سے نہیں ہو پاتا ہے۔ اور معترض کو اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے اور وہ اپنے ادیان باطلہ میں بھی اس کی مشابہت کا دعویٰ کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے حق و باطل میں

کھلم کھلا فرق سامنے نہیں آسکتا۔ اس لئے اللہ نے نماز کا حکم عطا فرما کر استخلاص کا مکمل نمونہ پیش کرایا کہ نماز کی نیت کے بعد جائز امور بھی ناجائز قرار دے دیے گئے۔ مثلاً کھانا جائز تھا لیکن اب نہیں کھا سکتے۔ بیوی سے بات کرنا جائز تھا لیکن نماز میں نہیں کر سکتے۔ سودا لانے اور خرید و فروخت کی باتیں کرنا جائز تھا لیکن نماز میں نہیں کر سکتے۔ بس جسمانی طور سے استخلاص کا مکمل نقشہ ہے کہ تمام مشاغل سے نکل کر اور اللہ کی رضاء کو مقصد بنا کر اللہ کے سامنے آکر کھڑا ہو جانا۔ لیکن اب ایک کمی باقی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ	کہ اللہ رب العزت تمہاری صورتوں
وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ	اور مالوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے
اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ	قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

بس جس طرح جسم کو تمام مشاغل اور ضرورتوں اور اعزاء سے فارغ کر کے نماز کے عمل میں لاکر کھڑا کر دیا اس طرح دل کو بھی اللہ کی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔

(د) استخلاص کا دوسرا درجہ

اب استخلاص کی دوسری محنت یہ ہے کہ دل میں اللہ کے غیر کا خیال نہ آنے دے کہ جس طرح جسم کو ساری مخلوق سے نکال کر صرف اللہ کی رضاء کے لئے نماز میں لاکر کھڑا کر دیا اسی طرح دل سے تمام تفکرات اور خیالات کو نکال کر اللہ کا دھیان۔ اللہ کا تصور اور اللہ کی حضوری پیدا ہو جاوے۔ یہ مقام محبت سے حاصل ہوتا ہے۔ ابتداء میں تھوڑی محنت کرنی پڑے گی۔ اور اس کی صورت اور ترکیب یہ ہے کہ جو خیالات دل میں آویں ان کے روکنے اور ہٹانے کی کوشش نہ کرے بلکہ ان کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ کیونکہ دل کی مثال بزرگوں نے سڑک سے دی ہے۔ اور سڑک چونکہ عام ہوتی ہے اس پر ہر قسم کی سواریاں اور ہر قسم کے جانور اور ہر قسم کے انسان سفر کرتے ہیں اور

چلتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی مسافر یوں چاہے کہ صرف سڑک پر وہ ہی چلیں جو مجھے پسند ہیں اور ناپسندیدہ لوگوں یا سواریوں یا جانوروں کو روکنے میں لگ جاوے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا بلکہ سب اسے بے وقوف بتلائیں گے اور اس کی پٹائی کریں گے۔ اور پھر یہ ہوگا کہ دوسروں کو کیا روکتا خود ہی مصیبت میں پھنس جاوے گا اور اپنی منزلِ مقصود کو نہ پہونچ سکے گا۔ منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی نظر جھکا کر منزل مقصود کو سامنے رکھ کر سڑک کے ایک کنارے سے چلتا رہے پھر یہ آسانی سے منزلیں طے کرتا ہوا اپنی منزلِ مقصود تک پہونچ جاوے گا۔ البتہ کسی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ ملک کا صدر یا وزیر ہے تو پھر یہ ہوگا کہ جس وقت یہ سفر کرے گا تو حکومت خود ہی اس کا انتظام کرے گی کہ جس سڑک سے صدر یا وزیر کی کار یا سواری گزرنے والی ہے اس پر پولیس یا فوج مقرر کر دے گی کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک اس سڑک پر کوئی نہیں گزر سکتا۔ اور سڑک پر دونوں جانب پہرے لگا دئے جاویں گے۔ اور جہاں سے وہ سڑک شروع ہوگی وہاں خود پولیس کا افسر معہ چند پولیس کے نوجوانوں کے کھڑا ہو جاویگا تاکہ ادھر کوئی سواری رخ بھی نہ کر سکے۔ اور چاہے کسی بڑے سے بڑے آدمی کی سواری وہاں سے گزرنا چاہے لیکن یہ افسر اسے وہاں ہی ٹھہرا دے گا۔ اگر وہ یوں کہے کہ میری منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ صرف یہ ہی ہے دوسری سڑک ایسی نہیں کہ میں چکر کاٹ کر بھی جا سکوں تو افسر کہے گا کہ اگر یہ بات ہے تو کار کو ایک طرف کھڑا کر لے اور انتظار کر کہ صدر صاحب گزر جائیں اس وقت تک یہ سڑک ریزرو ہے اور کسی کو یہاں سے گزرنے کی اجازت نہیں۔ اب سڑک کا پورا انتظام ہو گیا کہ درمیان سے بھی کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ ہر جگہ پولیس تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑی ہوئی ہے اور نہ ابتدا یا انتہا کے سروں سے ہی کوئی داخل ہو سکتا ہے کہ وہاں خود افسران متعین ہیں۔ اب صدر صاحب معہ اپنے رفقاء اور احباب کے آرام اور عافیت

کے ساتھ گزریں گے کہ نہ دشمن کا خوف نہ غیر مانوسوں سے واسطہ۔

بس یہ ہی حال اس نمازی کا ہے جو دل میں اللہ کو لانے کی کوشش میں ہے کہ ابتداء میں تمام خیالات اور وساوس سے واسطہ پڑیگا۔ اور ان کی طرف التفات کئے بغیر اللہ کی طرف لو لگانی پڑے گی لیکن جب یہ اس طرح محنت کرتا ہی رہے گا تو پھر اللہ رب العزت کرم فرمائیں گے اور اپنی رحمت و نصرت کو اس کی طرف نازل فرمادیں گے اور اس کے دل کو اپنے لیے خاص کرلیں گے پھر یہ حال ہوگا کہ جب یہ نماز کی نیت باندھے گا تو فوراً حضوری حاصل ہوجاوے گی۔ اور پھر یہ ہوگا کہ اس کا محبوب اس کی ہر جانب فرشتے متعین کردے گا جو کسی کو اس کی طرف نہ آنے دیں گے۔ شیاطین تو فرشتوں کو دور سے دیکھتے ہی بھاگ جاویں گے اور اس کے اپنے مشاغل کے خیالات یا بیوی بچوں اور اعزاء کے خیالات بھی اس کے دل میں نہ آسکیں گے۔ چاہے وہ کتنے ہی زور لگادیں کہ ہم تو اس کے ہیں۔ اسی کے نفع کو لے کر آئے ہیں اس کے علاوہ ہمارا کسی سے تعلق نہیں۔ یہ ہمارا ہے اور ہم اسکے ہیں تو فرشتے کہیں گے، یہ اس وقت اپنے مولیٰ سے راز و نیاز میں مشغول ہے۔ تم ذرا انتظار کرو کہ یہ فارغ ہوجاوے۔ پھر تم کو اجازت ہوگی اور اپنی بات کرلینا۔

اس مشق کے بعد بندے کو نسبت احسان حاصل ہوجاتی ہے۔ اور اس کا یہ حال ہوجاتا ہے۔ "دست بہ کار دل بیار" اور اسی کو اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ:۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (الی آخر) کہ اپنے مولیٰ کی اسی طرح عبادت کرکہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔

اس نسبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر آدمی چاہے جو کام کرے لیکن غفلت نہیں آتی اور اس کا ہر کام عبادت کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔ پھر سونا بھی عبادت والا، جاگنا بھی، کمانا بھی عبادت اور لینا دینا بھی۔ پھر بادشاہت بھی عبادت

اور صدارت بھی۔ یہاں تک کہ بیوی سے صحبت کرنا بھی عبادت مانا جاتا ہے۔

تبلیغ میں تصحیح نیت کا نمبر اسی مقام تک پہونچنے کی محنت کا متقاضی ہے۔

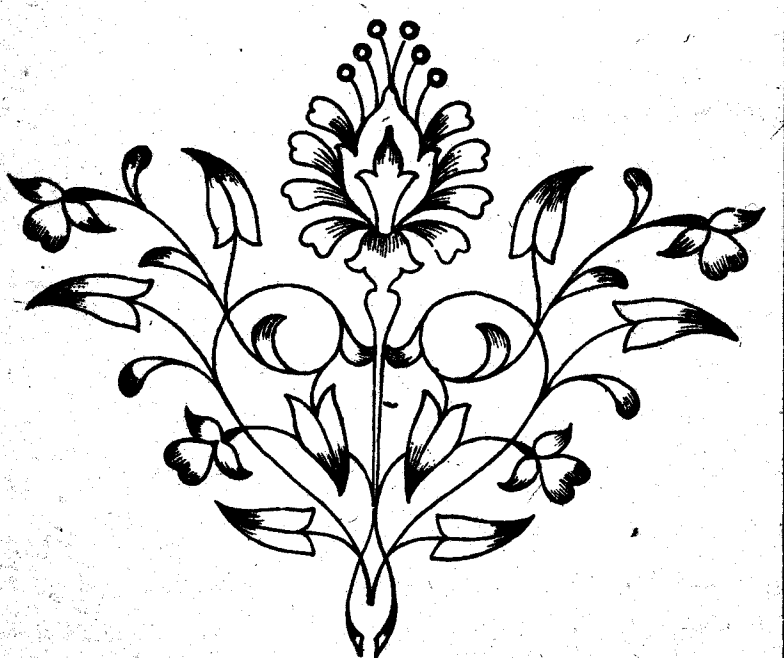

چھٹا نمبر ــــــ تبلیغ

یہ نمبرات جتنے بھی ذکر ہو چکے ہر ہر نمبر اپنی جگہ نہایت ہی اہم اور لابد ہے کہ جس کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں۔ چنانچہ کلمۂ طیبہ کے بغیر ایمان ہی نہیں بنتا۔ اور نماز کے بغیر اطاعتِ حق تعالےٰ شانہٗ اور اتباعِ نبوی نصیب ہی نہیں ہوسکتی۔ علم کے بغیر دین حق کی معلومات اور دین حق کا راستہ ہی نہیں مل سکتا اور ذکر کے بغیر دل میں نورانیت اور مولیٰ کی طرف یکسوئی اور اطمینان ہی نصیب نہیں ہوسکتا اور اکرام واخلاق وایثار اور حقوق کی ادائیگی کے بغیر انسان میں حسنِ معاشرت اور انسانیت کا شرف حاصل نہیں ہوسکتا اور اخلاص کے کمال کو حاصل کئے بغیر اعمال کی قبولیت اور رقوت پرواز پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو گویا سارے نمبروں کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی زندگی کو ان کے مطابق بنایا جاوے اور ایک ایک کو اپنے اندر لیا جاوے اور پیدا کیا جاوے۔ لیکن تبلیغ کے بغیر نہ یہ پیدا ہوسکتے ہیں نہ یہ متعدی ہوسکتے ہیں۔ تبلیغ کا نمبر اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اللہ رب العزت نے صرف اسی کی خاطر نبوت کا شعبہ قائم فرمایا اور ہر زمانے میں اس کا اہتمام فرمایا کہ جس خاندان یا قوم یا ملک میں گمراہی اور بددینی نے زور پکڑا فوراً اسی قوم میں سے کسی کا انتخاب فرما کر نبوت کے عہدہ سے سرفراز فرما کر اسے قوم کی دعوت کے کام پر مامور فرمایا۔ اور اس کی رہبری اور حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے اپنے ذمہ رکھی۔ تبلیغ کے کام کی رہبری بذریعہ وحی یا الہام فرماتے رہے اور نبی کی ذات کی حفاظت اپنی قدرت یا فرشتوں کے ذریعہ فرماتے رہے۔ یہ ایک بڑی لمبی چوڑی تاریخ ہے جس کا ضروری حصہ کتابوں میں آگیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی ضروری ضروری حصوں کو اللہ رب العزت نے ذکر فرمادیا ہے۔ سردارِ دوجہاں، حبیب خدا، محسنِ انسانیت، امام الانبیاء

حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک تبلیغی کام کا یہ ہی نظام رہا کہ ضرورت کے بقدر وقتاً فوقتاً اللہ رب العزت انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتے رہے اور ان سے انسانوں کی ہدایت کا کام لیتے رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی لگاتار محنت سے انسانیت ترقی کرتی رہی اور انسان میں عقل و شعور و فہم و تدبر بڑھتا رہا۔ اخذ کرنے کی قوت و صلاحیت عروج کو پہونچتی رہی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اس قابل بن گئی کہ خود اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ اور اپنا راستہ معلوم کر سکے اور نفع و نقصان میں تمیز کر سکے۔ اب انسانیت نبی کی محتاج نہیں رہی بلکہ کار نبوت کو انجام دینے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو چکی۔ اب یہ داعی کی محتاج نہیں رہی بلکہ دعوت کی تربیت حاصل کرنے کی استعداد اس میں پیدا ہو چکی۔ باپ اپنے لڑکے کو مکتب میں داخل کرتا ہے۔ جب بچہ قاعدۂ بغدادی ختم کر لیتا ہے تو باپ اور استاد دونوں کو امید ہو جاتی ہے کہ اب یہ عم کا پارہ شروع کرنے کے قابل ہو گیا۔ جب عم کا پارہ ختم کر لیتا ہے تو پارۂ الم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ جب قرآن پاک پورا کر لیتا ہے تو تعلیم کی ابتدائی کتابوں کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ہر درجہ کے بعد دوسرے درجہ کی استعداد پیدا ہوتی اور بڑھتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ دورہ کے درجہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اب خود بچہ بھی سوچتا ہے اب کیا کرنا ہے۔ افتاء میں داخلہ لوں یا ادب میں۔ فقہ حاصل کروں یا علم التفسیر۔ ادھر بچہ کا ذہن سوچ بچار کے قابل بنا تو ادھر باپ کو بھی آگے بڑھانے اور افضل بنانے کا داعیہ پیدا ہوا۔ ادھر استادوں کو بھی امید بندھی۔ اور جیسی استعداد دیکھی ویسا مشورہ استادوں نے دیا۔ بعینہٖ اسی طرح اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام سے ہی انسانی تربیت شروع کی اور پھر ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرماتے رہے اور تربیت کراتے رہے۔ انبیاء کی تربیت خود فرماتے اور انسانوں کی تربیت انبیاء سے کراتے۔ یہاں تک کہ استادوں (انبیاء علیہم السلام) نے خبر یعنی مشورہ دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ عیسٰے

علیہ السلام کے بارے میں صراحۃً قرآن پاک میں موجود ہے کہ فرماتے ہیں:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (پارہ ۲۸ س صف)	اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں اس سب کی جو مجھ سے پہلے ہو چکا (انبیاء کی تعلیم و تربیت) جس میں تورات اور (ساری کتابیں) بھی شامل ہیں اور خبر دیتا ہوں (مشورہ) اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے اور اس کا نام احمد ہوگا۔

اس آیت پاک میں اللہ رب العزت نے اپنی طرف سے ہدایت والی تربیت کے نظام کی دلیل پیش کی ہے کہ اے انسانو! تمہاری ہدایت کے استاد تمہاری استعداد و صلاحیت کی تصدیق کر رہے ہیں کہ ابتک کے استادوں نے جو محنت تم پر کی وہ حق تھی۔ اور میں بھی ان کی ایک کڑی ہوں۔ لیکن میں اس کی خبر دینے آیا ہوں کہ اب تم کو تربیت دینے کے لئے اب تک کے تمام استادوں کا سردار اور افضل و اعلیٰ اور ماہر استاد آنے والا ہے۔ اب تم چھوٹے چھوٹے استادوں کے محتاج نہیں رہے بلکہ اب تم کو آگے بڑھنا ہے اور اپنا کام کرنا سیکھنا ہے جس کو آنے والا استاد سکھائے گا تم اس کی ماننا اور اطاعت کرنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بھی بعض نبیوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ڈھائی سال دئے گئے جو صرف اطلاع اور خبردار کرنے کے لئے کافی تھے۔ ان کی ذمہ داری یہ ہی تھی کہ وہ آگاہ کر دیں کہ صرف ذاتی تربیت مکمل ہو چکی۔ اب تو تربیت کرنا سیکھنا ہے۔ ڈھائی سال آواز لگانے کے بعد اللہ رب العزت نے آپ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور آپ وہاں زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لاکر اپنا بقیہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب

بن کر انجام دیں گے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے لئے ایک ایسے خطہ کو تجویز کیا گیا جو سارے خطوں سے ہر اعتبار سے پیچھے اور گھٹیا تھا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ عقلمند انسانوں اور ترقی یافتہ قوموں اور ملکوں کو سمجھانا تھا کہ جس خطہ کو تم پست سمجھتے ہو اس میں آباد ہونے والوں کی صلاحیت و استعداد کا حال اور اندازہ دیکھ لو اور پھر اس خطہ والوں سے زیادہ سمجھدار اور ترقی یافتہ انسانوں کی استعداد کا اندازہ کر لو کہ جب ان کا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ جب یہ اس قابل ہیں تو دوسرے کتنے قابل ہوں گے۔ جب یہ اتنا کر سکتے ہیں تو دوسرے کتنا کر سکیں گے۔ جب یہ اس قدر ترقی اور کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو دوسرے کس قدر حاصل کر سکیں گے۔

سمجھ دار استاد گھٹیا کا امتحان لیتا ہے اور دوسروں کا اس سے اندازہ لگاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی اپنے بندوں کو سمجھانے کیلئے ان کی اپنی نظریں جو گھٹیا اور پست تھے ان سے کام شروع کرایا اور ان کی استعدادوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کر کے دوسروں کو بتایا کہ تم اپنے کو جانچو اور ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کر کے آگے بڑھو اور کام کرو تاکہ اپنا مقام حاصل کر سکو۔ بہر حال یہ ایک نکتہ تھا جسکو مختصر سے مختصر الفاظ میں سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔

اس سے اتنا اندازہ ہو گیا کہ اب تک کے نبیوں کا کام تھا تبلیغ کرنا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کام تھا مبلغ بنانا۔ جس طرح اللہ رب العزت نے آپ کو درجات کے اعتبار سے فضیلت مرحمت فرمائی اسی طرح کام بھی افضل اور اعلیٰ مرحمت فرمایا۔ اور یہ بات واضح اور صاف ہے کہ بڑوں سے چھوٹا کام نہیں لیا جاتا۔ اس لیے آپ صرف ایمان و نماز اور نیک اعمال ہی سکھانے نہیں آئے بلکہ ان کو بھی سکھایا اور اصل یہ کہ ان کی دعوت و تبلیغ سکھانی مقصود تھی اس لیے ابتداء بھی تبلیغ و دعوت سے ہی کی۔ سارے انبیاء علیہم السلام کے کام کی ابتداء ایمان و نماز سے

ہوئی۔ اور آپؐ کے کام کی ابتداء ایمان و دعوت تبلیغ سے ہوئی اور نماز جو سارے اعمال میں سب سے افضل اور اعلیٰ عمل ہے اور احکامات میں سب سے بڑا حکم ہے وہ بھی دس سال کے بعد امت کو عطا کیا گیا۔ آپ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ آپ داعی بنانے والے تھے کیونکہ دعوت و تبلیغ دین کی زراعت ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ کاشتکاری سے مقصد غلہ اور پھل۔ سبزی وغیرہ حاصل کرنا ہے۔ لیکن یہ مقصد بغیر زراعت کے تو حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگرچہ مقصد ایمان و عمل۔ علم و ذکر اور جملہ احکاماتِ الٰہیہ کا وجود میں لانا ہی ہے اور اصل یہ ہی ہے۔ لیکن یہ تو سوچا جائے کہ یہ وجود میں کس طرح آویں گے۔ مدارس اور خانقاہیں اور وعظ و پند اگرچہ مفید اور علم و ذکر اور عبادات کا شوق و ذہن پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں لیکن کس کے لئے؟ صرف طالبین کے لئے ہی تو ذریعہ بن سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ طالب ہی نہیں بلکہ دین سے دور اور دین سے غافل بلکہ دین کے دشمن ہیں۔ وہ نہ تو مدارس سے نفع اٹھا سکتے ہیں نہ خانقاہوں میں پہونچ سکتے ہیں نہ کسی وعظ میں آنے کو تیار۔ نہ کسی کی نصیحت سننے کو آمادہ۔ نہ کسی دینی کتاب کو پڑھنا اور سننا گوارا۔ پھر ان کو کھینچنے اور لانے کا ذریعہ کیا ہوگا۔ بس یہ بات ماننی ہی پڑے گی کہ بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے اور غافلوں کو غفلت سے نکالنے۔ گمراہوں کو ہدایت پر لانے کا ذریعہ تبلیغ و دعوت کے علاوہ کوئی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ ہی اصل مقصد اور اہم کام قرار دیا گیا۔ اور اسی کی خاطر ان کو مشقتیں مصیبتیں جھیلنی اور مار کھانی پڑی اور ان کی اسی محنت سے دین وجود میں آتا تھا۔ ان کی دعوت و تبلیغ سے ہی لوگ ایمان لاتے۔ نماز پر آتے اور زندگی سنوارتے تھے۔ اور جب وہ دنیا سے تشریف لے جاتے تو ان کا دین بھی کمزور ہوتا رہتا اور آخر کار مٹ جاتا۔ دین کا نام باقی رہ جاتا اور دین کی حقیقت جاتی رہتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ رب العزت کو دین کی بقا کے سبب کو وجود میں لانا تھا کہ نبی کے بھیجے بغیر دینِ حق قیامت تک باقی رہ سکے۔ اس لئے پہلے اس سبب کو وجود میں لانے اور ایمان لانے والوں کو اسے

سکھانے اور اس کی اہمیت وعظمت دل میں پیدا کرنے کی محنت سے آپ کے کام کی ابتدا کرائی اور بقیہ دین دس سال کی محنت کے بعد آنا شروع ہوا۔ دس سال تک صرف ایمان و دعوت ہی پر محنت کرائی کہ ایمان دین کا بیج ہے اور دعوت اس کی زراعت یعنی نشو ونما اور پرورش کا ذریعہ ہے۔ پھر اسی بیج میں سے درخت بن کر نماز نکلے گی اور علم کی بارش اسے سیراب کرے گی۔ اور ذکر کا سورج اس میں نور پاشی کرے گا۔ اور اخلاق کے پتے اسے خوشنما بنائیں گے اور اخلاص کی کھاد اس کو قوت دے کر پروان چڑھائے گی۔ یہاں تک کہ اس میں عدل۔ حیاء۔ غربا پروری۔ محبت۔ ہمدردی۔ تواضع۔ خدمت وغیرہ وغیرہ کے پھل بن کر لگیں گے۔ اور پھر اس کے گاہک پیدا ہوں گے۔ خریداری شروع ہوگی اور دنیا کی تمام منڈیوں میں اس کی قیمت بڑھ جاوے گی۔

یہ ہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام ایمان اور تبلیغ و دعوت سے شروع کیا کہ ایمان لاؤ اور اس کی تبلیغ کرو۔ چنانچہ جو بھی ایمان لاتا وہ ایمان کا داعی بن کر نکلتا۔ دس سال مسلسل صرف یہ ہی محنت جاری رہی۔ اس کے بعد پہلا حکم نماز کا آیا اور پھر احکامات کا سلسلہ شروع ہوکر صرف تیرہ سال کی مدت میں دین کو مکمل کر دیا گیا اور آخری حج میں اعلان ہوگیا:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

(پ ۶ س مائدہ)

اے (امت محمدیہ) آج کے دن تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔ اور اللہ کے خزانوں میں جو اعلیٰ نعمت تھی وہ تم کو پوری پوری پہنچا دی گئی۔ اور یہ بھی سن لو کہ میں (صرف) دین اسلام سے ہی راضی ہوں۔

یہ تھا اللہ کا اعلان۔ اب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اعلان سنیے:۔

اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَلٰى يَا

کیا میں نے تم کو دین پہنچا دیا؟ انھوں نے کہا ہاں! رسول اللہ! کیا میں نے تم کو دین پہنچا دیا۔ ہاں یا رسول اللہ! کیا میں نے تم کو دین

رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ پہنچا دیا۔ ہاں یا رسول اللہ!

پھر اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ یا اللہ تو گواہ رہ یا اللہ تو گواہ رہ
اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ثُمَّ قَالَ فَلْیُبَلِّغِ یا اللہ تو گواہ رہ!
الشَّاھِدُ الْغَائِبَ۔ پھر فرمایا حاضر غائب کو پہنچا دیں۔

اس مذکورہ ہیئت پر غور فرمائیں کہ جب اللہ نے یہ اعلان کر دیا کہ آج تمہارا دین مکمل ہو گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذمہ داری کا فکر ہوا اور فوراً امت کو مخاطب فرما کر تین مرتبہ سوال کیا اور امت ہر دفعہ اقرار میں جواب دیتی رہی۔ پھر اللہ کو گواہ بنایا اے اللہ آپ بھی گواہ رہیں کہ جن پر میں نے محنت کی ہے وہ اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے آپ کا سارا دین ان تک پہنچا دیا ہے۔ اس سب کے بعد امت کو آئندہ کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ جہاں میں نے تم کو دین پہنچایا ہے ساتھ ساتھ دین کا دوسروں تک پہنچانا بھی پہنچایا ہے۔ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ دین اور اس کے پہنچانے کے طریقوں کو دوسروں تک پہنچاتے رہو۔

اور سنیے آقا صلے اللہ علیہ وسلم اور کیا فرماتے ہیں:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کہ میرے صحابہ کی مثال ستاروں کی
فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ سی ہے۔ جو ان کی اقتداء کریں گے
اِھْتَدَیْتُمْ وہ ہدایت پائیں گے۔

اب ان سارے فرمانوں کا جوڑ لگا کر دیکھیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سارے طریقوں میں کامیاب طریقۂ زندگی صرف دین اسلام ہے۔ اور اسلام وہ ہے جس کو اللہ رب العزت نے انسانوں کی کامیابی کی خاطر تجویز فرما کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطا فرمایا ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست اسلام کو سیکھنے والی امت حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ اور آئندہ قیامت تک کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم والے دین پر عمل کرنے کا نمونہ خود آپ نے ہی

اسی جماعت کو قرار دے کر ان کی اتباع کو طے کر دیا ہے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغ و دعوت میں گزرا ہے۔ فیصلہ خود کر لیں کہ اب کون سی چیز اہم ہے اور کون سا عمل مقدم ہے۔ اور پھر سوچیں کہ تبلیغ کے نمبروں میں چھٹے نمبر "تبلیغ" کی کیا حیثیت ہے۔ اور جو حضرات تفریغ وقت کو نمبر قرار دیتے ہیں وہ کس بنا پر دے رہے ہیں۔

بندہ نے حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بار بار خود سنا ہے کہ آپ چھٹا نمبر تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے ایک دفعہ تقریباً ایک ماہ تک یا کچھ کم و بیش پرانوں کو جوڑ کر چھ نمبروں کا مذاکرہ کرایا تھا اور خود بھی اس میں شریک رہتے تھے اور اللہ رب العزت نے بندہ کو بھی اس موقعہ پر نظام الدین میں قیام کی توفیق مرحمت فرمادی تھی اور اس میں چھ نمبروں کے دو رخ بھی مذاکرہ میں بیان کئے جاتے تھے۔ بندہ بھی آخر میں چھ نمبروں کے دوسرے رُخ کو لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انشاء اللہ! اس مذاکرہ میں بھی چھ نمبروں میں چھٹا نمبر تبلیغ ہی بیان کیا جاتا تھا۔ پھر ایک موقع پر حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھائی عبدالوہاب رائے ونڈ اور قریشی صاحب پنڈی والے بھی چند پرانے ذمہ داروں نے دریافت کیا کہ حضرت چھٹا نمبر تبلیغ ہے یا تفریغ وقت یا نفر فی سبیل اللہ۔ کیونکہ بعض علاقوں میں نفر فی سبیل اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس پر پہلے حضرت نے ایک جامع اور مختصر تقریر فرمائی جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ کی عادت شریفہ تھی۔ اور پھر فرمایا کہ بھائی کام کرنا ہے۔ چھٹا نمبر اگرچہ تبلیغ ہے لیکن اس کو نزاع (جھگڑے) کی چیز نہیں بنانا۔ جو تفریغ اوقات کہتے ہیں کرتے وہ بھی تبلیغ ہی ہیں۔ اور جو نفر فی سبیل اللہ کہتے ہیں وہ بھی تبلیغ ہی کرتے ہیں۔ صرف الفاظ کا پھیر ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نفر فی سبیل اللہ یا تفریغ اوقات نمبر نہیں بلکہ یہ اسلام کا ایک مستقل شعبہ ہے اور قرآن پاک و احادیث میں اس کی مستقل آیات اور احادیث ہیں۔ نفر کا وقت کبھی کبھار آتا ہے اور تبلیغ تو ہر وقت کا کام ہے۔ مثلاً تبلیغ میں تفریغ اوقات یا نفر فی سبیل اللہ کے لئے

ساری عمر میں تین چلے۔ سال میں ایک چلہ اور ماہانہ تین یوم رکھے گئے کیا اس کے علاوہ کے دنوں میں تبلیغ نہیں کرنی؟ اور تبلیغ خود اپنی ذات کے اعتبار سے نیکی ہے اور نکلنا اپنی ذات سے نیکی نہیں بلکہ نیکی کی نسبت پر نکلنے سے نیکی بنے گا۔ اور تبلیغ کے سارے نمبر ایسے ہیں کہ وہ خود اپنی ذات سے ہی نیکی ہیں۔ ان کی نسبت پر نکلنے کے اجر و ثواب بھی بے حد و شمار ہیں کہ ایک ایک قدم پر کبھی سات سو کبھی سات ہزار اور کبھی ستر ہزار اور کبھی سات لاکھ۔ یہاں تک کہ اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور چھٹا نمبر یعنی تبلیغ تو سب کی روح رواں اور سبب اشاعت اور غذا ہے۔ بس اس سے ثابت ہوگیا کہ چھٹا نمبر تفریغ وقت نہیں بلکہ تبلیغ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نکلنے کے بغیر ان کی مشق و اشاعت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے یہ کہا جاوے گا کہ ان چھ باتوں کو سیکھنے اور پھیلانے کے لئے وقت فارغ کیا جاوے۔

تبلیغ کی اہمیت اور تاکید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(پ ۲۴ س حٰمٓ سجدہ)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف لوگوں کو بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

فائدہ:۔ اس آیت پاک میں خود اللہ رب العزت فرمارہے ہیں کہ اللہ کی طرف دعوت دینے سے بہتر کسی کی بات نہیں ہوسکتی اور دعوت کے بارے میں پہلے آچکا کہ اس سے مراد دین کی بات پہونچانے میں محنت کرنا اور اس قدر سمجھانا کہ سننے والا عامل بن جائے۔ یعنی داعی کی نیت اور ارادہ یہ ہو۔ اور اس کی خاطر اسے جتنی بھی شکلیں اختیار کرنی پڑیں ان کو کرتا ہے۔ مثلاً جاکر سمجھانا۔ بلاکر سمجھانا۔ کھلاکر سمجھانا۔ پلاکر سمجھانا۔ خوشامد درآمد۔ تواضع۔ انکساری۔ اور اس میں یہ بھی

داخل ہے کہ اس کی طرف سے جو سختی یا ناگواری پیش آوے اس کی طرف التفات نہ کرنا بلکہ اسے جھیلتے رہنا۔

وقال اللہ تعالیٰ:
قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔
(پ ۱۳ س یوسف)

(اے محمد) صلے اللہ علیہ وسلم کہدو کہ میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں بصیرت کے ساتھ میرا مقصد تو یہ ہے ہی لیکن میری اتباع کرنے والوں کا مقصد بھی یہ ہی ہوگا۔

فائدہ:۔ اس آیت شریفہ میں اللہ رب العزت نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ میرا مقصدِ حیات ہی یہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دوں۔ اور یہ کام میں اندھا دھند نہیں کرتا بلکہ مجھے اس میں بصیرت کاملہ حاصل ہے کہ جو میری بات مانے گا اور خدا کے حکموں پر عمل کرے گا وہ ہی کامیاب ہوگا۔ اس کے علاوہ سب ناکام ہوں گے۔ اور آگے اعلان کراتے ہیں کہ یہ بھی کہدو کہ میرا کام تو یہ ہے ہی لیکن میری پوری امت کا مقصدِ حیات بھی یہ ہی ہوگا کہ وہ میرے والے کام کو میرے والے نہج پر انجام دیتی رہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔

اگر میری ایک بات بھی تم کو معلوم ہے تو اسے دوسروں تک پہنچا دو۔ ہر حاضر کا کام ہے کہ غائب کو پہنچا دے۔

اس بارے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کافی تعداد میں موجود ہیں نمونہ کے طور پر ان چند پر اکتفا کی جاتی ہے کہ ماننے والوں کے لئے ایک بھی کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے دفتر بھی بھر دئے جاویں تو بے سود اور بے کار ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الدین النصیحۃ" دین ہے ہی نصیحت اور نصیحت سمجھانے بجھانے کو کہتے ہیں۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے: لان یھدی اللہ بکم رجلا واحدا خیرا من الدنیا وما فیھا کہ اگر اللہ رب العزت تیرے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت

پر لے آوے تو یہ تیرے لیے دنیا اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ جس کی تشریح میں بعض شراح نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جتنی قسم کی عبادات بھی دنیا میں کوئی بندہ کر رہا ہے یہ ان ساری عبادات سے افضل ہے۔ کیونکہ دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں یعنی کچھ بھی نہیں۔ پھر ایسی بے قیمت اور بے حیثیت چیز سے مقابلہ ہی کیا کیا جاوے اور عبادات میں معمولی عبادت بھی اللہ کے ہاں ایک مقام اور درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اس حدیث پاک میں ہدایت کا مقابلہ دنیا کی چیزوں سے نہیں کیا بلکہ عبادات سے کیا ہے۔

تبلیغ کے شرائط

یوں تو ہر کام کے کچھ شرائط ہوتے ہیں لیکن جتنا زیادہ اور اعلیٰ کام ہوتا ہے اس کے شرائط بھی اسی قدر اہم اور عظیم ہوتے ہیں۔ تبلیغ میں بنیادی طور سے چار شرائط ہیں۔

پہلی شرط۔ مقصد بنا کر کرنا

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آدمی کی فطرت ہے کہ جب تک کسی کام کو مقصد نہیں بناتا اس وقت تک اس میں پوری طرح سوچ بچار اور اس کی فکر بھی نہیں پیدا ہوتی۔ اور سوچ و فکر ایسی دولت ہے کہ اسی کے ذریعہ کام کی گہرائی تک رسائی ہوتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ اس کے پوشیدہ راز کھلتے ہیں جیسا کہ زمانہ شاہد ہے کہ جتنی آج ترقیات دکھائی دے رہی ہیں یہ سب انسانی سوچ و فکر کا ہی نتیجہ ہے۔ نئی نئی ایجادات کا سرچشمہ یہ ہی سوچ و فکر ہے کہ برسوں سوچ کی جاتی ہے تب کوئی نئی شے ذہن میں آتی ہے اور پھر اس کے وجود میں لانے کی صورتیں سوچتے ہیں تو اس کے طریقے ذہن پر کھلتے ہیں۔ یہاں تک کہ سوچتے اور کرتے رہنے سے نتیجۃً اور

شکل وجود میں آجاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے خریدار دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

جب مادی اور فانی اشیاء کا یہ حال ہے کہ اپنے وجود میں سوچ وفکر کا مطالبہ رکھتی ہیں تب کہیں ان کا وجود اور ان کے منافع ظہور میں آتے ہیں تو خزانۂ غیب کے کرشمے اور منافع بغیر سوچ وفکر کے کیسے کھل سکتے ہیں۔ بس تبلیغ کی پہلی شرط یہ ہی ہے کہ اسے مقصد بنایا جاوے اور پھر اسے سوچا جاوے تب اس کی حقیقت واہمیت اور ضرورت قلوب پر واضح اور منکشف ہو گی ورنہ نہیں۔

قرآن وحدیث علم کے سمندر ہیں۔ اور سمندر میں موتی بھی ہوتے ہیں اور مچھلیاں بھی۔ موذی جانور بھی ہوتے ہیں اور نفع دینے والے بھی۔ بس جس ارادے سے محنت کروگے وہ ہی چیز ملے گی۔ اگر قرآن وحدیث کو تبلیغ کی عینک لگا کر دیکھا جاوے گا تو تبلیغ ہی تبلیغ نظر آوے گی اور یہ سب سے اہم اور مقدم نظر آنے لگے گی اور علم کی عینک لگا کر دیکھو گے تو علم نظر آوے گا۔ اور اگر کوئی بے وقوف صرف دنیاوی مقاصد کی عینک سے دیکھے گا تو اسے دنیاوی منافع ہی نظر آنے لگیں گے اس لئے شرط اول یہ ہے کہ تبلیغ کو مقصد بنا دیا جائے۔

دوسری شرط۔ طریقۂ محمدی کو اختیار کرنا

جب مقصد بنالیا تو اب یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے کرنے کے طریقے بھی وہ ہی اختیار کئے جاویں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اختیار کئے اور جن کی تعلیم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔ حضورؐ والے طریقوں میں پہلی بات یہ نظر آئے گی کہ آپ کا طریقہ سیدھا سادا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس میں عمومیت تھی کہ چھوٹے بڑے۔ خواص وعوام۔ لکھے پڑھے۔ اور ان پڑھ شہری دیہاتی غرضکہ تمام طبقات کام میں لگے ہوئے تھے اور ہر ایک نے اسے اپنا مقصد قرار دیا ہوا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہر آدمی اپنے اوپر اپنا مال لگاتا تھا۔ یعنی جان ومال دونوں کا لگانا

ہر ایک کو ضروری ہوتا تھا۔ چوتھے یہ کہ قربانیوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اور ان سب کا یہ مزاج بن گیا تھا۔ جب دعوت کا تقاضا آجاوے تو تمام تقاضوں اور ضرورتوں کو قربان کر کے اسے نقد پورا کرنا ہے۔ چاہے ہمارے ذاتی کام بگڑیں یا بنیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

اوّل۔ نقد کرنا	ادھر کان میں آواز پڑی اور نکل پڑے۔
دوسرے۔ جان کی قربانی	جان کا خطرہ دکھائی دیا تو جان دینے کو تیار ہوگئے۔
تیسرے۔ مال کی قربانی	اگر مال جاتا دکھائی دیا تو اس کی پرواہ نہیں اور جو ہے وہ لگانا پڑا تو اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
چوتھے۔ حال کی قربانی	حالات سازگار ہوں یا خلاف اس کی پرواہ نہ کرنا بلکہ تقاضے کو ہر حال میں پورا کرنا۔
پانچویں۔ بیوی بچوں کی قربانی	بیوی کا کیا ہوگا؟ بچے کیسے رہیں گے۔ کون ان کی دیکھ بھال کرے گا؟ اس کو نہ دیکھنا بلکہ توکلت علی اللہ کہا اور نکل پڑے۔

چھٹے۔ کہ اس کا انتظار نہ کرنا کہ پہلے اپنے تو ہدایت پر آجاویں پھر دوسروں کو دیکھیں گے۔ بلکہ اپنوں کو دوسروں کو سب کو دعوت دیتے رہنا اور قریب و بعید ہر جگہ جانے کو تیار رہنا۔

ساتویں۔ یہ کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی اپنے کام اور اپنی محنت کا کسی سے معاوضہ نہیں چاہتے۔ آٹھویں امیر کا متعین کرنا اور اس کی اطاعت کرنا۔ نویں۔ دن کو اللہ کے بندوں پر محنت کرنا اور رات کی تنہائی میں اللہ کے سامنے رو کر اور بلبلا کر اللہ سے اللہ کے بندوں کی ہدایت مانگنا۔ جس کو جاسوسوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔ رہبان باللیل وفرسان بالنہار کہ وہ دن کو تو گھوڑوں کی پشت پر دکھائی دیتے ہیں اور رات کو اپنے مولےٰ کے ساتھ مشغول ملتے ہیں۔ دسویں۔ تقویٰ سے آراستہ ہونا۔ گیارہویں۔ اخلاص پر بنیادی چیزیں ہیں۔ باقی اس کی

تفصیل میں جایا جاوے تو بہت چیزیں مل سکتی ہیں۔

تیسری شرط۔ ہر حال میں کرنا

یعنی چاہے گھر پر ہوں یا باہر۔ بیمار ہوں یا تندرست۔ تنگی میں ہوں یا فراخی میں۔ اکیلے ہوں یا جماعت کی صورت میں کام کو ہر حال میں جاری رکھنا ہے۔ چاہے سردی ہو یا گرمی۔ چاہے موسم برسات ہو یا لُو کا زمانہ چاہے برفانی ملک میں جانا پڑے یا پہاڑی میں۔ چاہے ریگستان کے علاقے میں کام کرنا پڑے یا گل و گلزار اور شاداب ملک میں۔ ہر حال میں اور ہر جگہ کام کرنا ہے اور کسی حال سے متاثر نہ ہونا۔

چوتھی شرط۔ انتہا تک کرنا

چوتھی شرط یہ ہے کہ کام کو انتہا تک کرتے رہنا۔ یا کام مکمل ہو جاوے اور یا کرتے کرتے جان چلی جاوے۔ اور اس کام کی انتہا یہ ہے کہ یا اللہ کے بندے ہدایت پر آجاویں یا محنت کرتے کرتے موت آجاوے۔ کیونکہ کوئی کام یا شکل اس وقت تک نفع نہیں دیتی کہ جب تک اس کی محنت ابتدا سے انتہا تک نہ کی جاوے۔ اس رسالہ میں چونکہ اختصار مقصود ہے اس لئے مجملاً چھ نمبروں کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر ان کی تشریح کی جاوے عالم تو پتہ نہیں کتنا کچھ لکھ سکیں گے لیکن ایک ایک نمبر پر ایک رسالہ تو مجھ جیسا ناسمجھ اور جاہل بھی لکھ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ خیر الکلام ما قلّ و دلّ۔ اللہ رب العزت ان پر عمل کی مجھ گناہ کار اور نااہل کو بھی توفیق عطا فرماوے اور سارے مسلمانوں بلکہ پورے انسانوں کو ہدایت والی محنت میں لگنے اور ہدایت پر آنے کا ذریعہ بھی فرماوے۔ آمین یا رب العالمین۔

آخر میں ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہ چھ نمبر ہدایت پر آنے اور لانے کا ذریعہ ہیں لیکن اس ہدایت کے نسخہ کے ساتھ ایک

پرہیز بھی ضروری ہے کہ ہر نسخہ اسی وقت نفع دیتا ہے جبکہ حکیم نے جو پرہیز بتایا ہے اس کے مطابق نقصان دہ چیزوں سے بچا جائے گا۔ ورنہ سارا نسخہ بیکار اور سارے پیسے ضائع ہو جاتے ہیں۔ بس اس مذکورہ نسخہ کے ساتھ ایک پرہیز بھی رکھا گیا ہے اور وہ ہے "لا یعنی" سے بچنا۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ	یعنی اسلام کا حسن
تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْ۔	لا یعنی کو ترک کرنا ہے۔

اور قرآن پاک میں بھی اللہ رب العزت کا ارشاد مذکور ہے:

وَالَّذِیْنَ	(پہلے سے مضمون کا سلسلہ ہے جس کے
ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ	آخر میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں) اور
مُعْرِضُوْنَ۔	وہ مومن یقیناً کامیاب ہوں گے جو
(پ۱۸۔ س المؤمنون)	بیکار کاموں سے اعراض کرتے ہیں۔

حضرت لقمان حکیم سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس مرتبہ کو کیسے پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ سچ بولنے، امانت ادا کرنے اور لا یعنی سے بچنے کی وجہ سے۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کا انتقال ہو گیا۔ صحابہؓ نے اس کی تعریف کرنی شروع کی اور اس کو جنت کی بشارت دینے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو جنت کی بشارت دے رہے ہو کیا خبر ہے کہ اس نے کوئی لا یعنی بات کی ہو اور وہ اسے جہنم میں پہنچا دے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت آپس میں بیٹھی ہنسی مذاق کی باتیں کر رہی تھی اور کھل کھلا کر ہنس رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے دانت بھی دکھائے دے رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم موت کو کثرت سے یاد کرو تو یہ حالت پیدا نہ ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ پس موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ کیونکہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ وہ یہ اعلان نہ

کرتی ہو کہ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں مٹی کا گھر ہوں۔ میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ اور جب کوئی مومن مرد یا عورت اس میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہو۔ اور تو مجھے بہت زیادہ محبوب تھا۔ اس کے بعد وہ جہاں تک مردہ کی نظر پہونچے چوڑی ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی بدکردار قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا بہت ہی برا ہے اور مجھے تجھ سے انتہائی نفرت تھی۔ اس کے بعد وہ اس کو اس قدر دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔

بس ہم کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے اور سارے ناجائز کاموں سے سختی کے ساتھ بچنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ بیکار اور فضول کام کہ جن سے نہ دنیا کا فائدہ نہ آخرت کا۔ اور آج انسان میں اتنا بگاڑ آچکا ہے کہ تفریح کا نام رکھ کر ایسے ایسے کھیل کر گزرتے ہیں کہ الحفیظ والامان۔ کہ ان سے زندگی برباد اور خون پسینہ سے کمایا ہوا مال ضائع ہو رہا ہے۔ لیکن جب دل ہی اندھا ہو گیا تو پھر کیسے پہچانا جا سکتا ہے کہ بھلا کیا ہے اور برا کیا۔ نفع کس میں ہے اور نقصان کس میں۔ اس لیے تبلیغ میں وقت لگاتے رہیں اور لا یعنی سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور اللہ سے دعا مانگتے رہیں کہ اللہ رب العزت ہم سب کی تمام ناجائز کاموں اور باتوں سے حفاظت فرمادے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

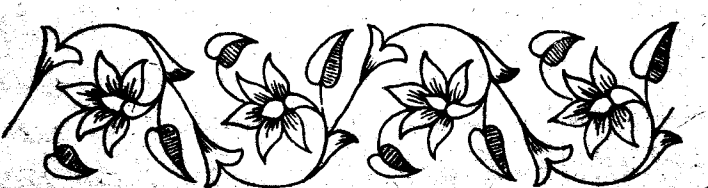

ترکِ لایعنی

تبلیغی تحریک کے بنیادی اصولوں میں سے چھ نمبر نہایت ہی اہم ہیں اور یہ کام کی اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔ امت کی موجودہ تنزلی کے علاج کے نسخہ کا مقام رکھتے ہیں۔ لیکن نسخہ کے ساتھ ہی حکیم یا ڈاکٹر پرہیز بھی بتلاتے ہیں۔ بس تبلیغی چھ نمبروں کی پابندی کرتے ہوئے ایک کام (لایعنی) سے بچنا ہے۔ اس کو بعض لوگوں نے ساتواں نمبر لکھا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کو کہتے ہوئے بھی سنا ہے۔ لیکن یہ نمبر نہیں بلکہ پرہیز ہے۔ یعنی چھ کاموں کو کرنا اور ایک سے بچنا۔ حدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:-

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔

اسلام کی خوبیوں میں سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لایعنی کو ترک کیا جاوے۔

اس لیے کام کرنے والے حضرات اس کا بہت ہی خیال رکھیں کہ گناہ تو درکنار لایعنی بھی نہ ہونے پاوے۔ لایعنی بیکار اور فضول کام اور باتوں کو کہتے ہیں۔

چھ نمبر وں کا دوسرا رخ

یہ پہلے بیان ہو چکا کہ یہ چھ باتیں زمانۂ حال کے امراض کا علاج ہیں کہ انسان کی سب سے خطرناک بیماری بد دینی۔ بدکرداری۔ بدخلقی اور خواہشات نفسانی کے امراض ہیں۔ جب انسانی اپنے بنائے ہوئے طریقوں پر زندگی گزارنے لگے اور جو جی میں آجاوے اسی پر عمل کرنے لگے اور خالق و مالک کو بھول جاوے۔ موت کے بعد زندہ ہونے کا یقین دل سے نکل جاوے۔ اور اللہ تعالےٰ کے رسول یعنی پیغمبرؐ

کی اتباع کو چھوڑ دے تو یہ دنیا مصائب کا گہوارہ بن جاتی ہے اور نت نئے امراض جسمانیہ اور قلبی پریشانیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ بدامنی۔ خونریزی عام ہو جاتی ہے۔ بے حیائی، عصمت فروشی اور عصمت دری فیشن بن جاتی ہے۔

جب دنیا میں ایسے حالات بن جاتے ہیں تو اللہ رب العزت کی کریم ذات کی رحمت و شفقت اور اپنے بندوں کی محبت جوش میں آتی ہے تو اللہ رب العزت انسانوں میں سے کسی محبوب بندے کو منتخب فرما کر اس زمانے کے امراض کے علاج کا طریقہ اس کو مرحمت فرماتے ہیں۔ اور مرحمت فرمانے کی شکل صرف ان کی اپنی قدرت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی عطا فرماتے تھے۔ اور اس زمانہ میں یہ کہ اپنی قدرت سے اس بندے کے دل میں ان طریقوں کو ڈالیں اور منکشف فرما دیں یا بذریعہ الہام عطا فرما دیں۔ یا بذریعہ منام (خواب) اس کو بتلا دیں۔ بہرحال عطا فرمانے کی شکل کو کوئی انسان نہ طے کر سکتا ہے نہ ہی رائے زنی کر سکتا ہے۔ نہ کسی کی شخصیت اور رائے زنی کو اس میں دخل ہے۔ یہ تو اللہ رب العزت کا اپنا معاملہ ہے کہ جس سے کام لینا چاہتے ہیں اس کو کام کے طریقے جس شکل سے چاہیں عطا فرما دیں۔

اس زمانے میں جبکہ امراض عام ہو چکے اور خرابیاں پھیل چکیں اور زندگیوں میں عام بگاڑ آگیا اور انسانیت ان امراض کی وجہ سے بلایا اور مصیبتوں کا شکار بن چکی تو اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل اور اپنی حکمت سے حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا اور ان پر ایسے اصول اور طریقے منکشف فرمائے کہ جو سراسر قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔ اور ایسے محکم ہیں کہ ان کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے مدلل ہیں کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا البتہ ڈھٹائی کا علاج کچھ بھی نہیں کہ ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوئے ہیں کہ جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہ بخشا اور ان کی بھی نہ مانی تو یہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی کھوتے ہیں اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوائے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ خسر الدنیا

وَالْآخِرَةِ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

ان طریقوں اور اصولوں میں بنیادی چیز یہ ہی چھ نمبر ہیں۔ جن کا ایک رُخ بیان ہو چکا۔ دوسرا رُخ یہ ہے کہ ہر عمل میں چھ نمبر پیدا کئے جاویں کہ یہ نمبر ایک طرف زندگی کو صحیح بنانے کی بنیاد ہیں تو دوسری طرف یہ اعمال کو جانچنے اور تولنے کی ترازو بھی ہیں کہ ہر آدمی اپنے عمل کو پرکھ لے کہ یہ میرا عمل کس درجہ کا ہے یعنی مکمل ہے یا نامکمل۔ ناقص ہے یا کامل۔ اس کو چھ نمبر بتائیں گے۔ چاہے وہ اعمال عبادات سے متعلق ہوں یا معاشرت سے اور چاہے معاشیات سے متعلق ہوں یا چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی۔ چاہے وہ حاکمیت کے ہوں یا محکومیت کے۔ سب لائنوں کے اعمال کو پرکھنے کی یہ بہترین ترازو ہے۔ یہاں تک کہ آنکھ کے دیکھنے میں یہ چھ نمبر پیدا ہو جاویں۔ کان کے سننے میں یہ چھ نمبر پیدا ہو جاویں۔ زبان سے بولنے منہ سے کھانے۔ ہاتھوں سے پکڑنے۔ پیروں سے چلنے، دماغ سے سوچنے۔ ان سارے اعضاء کے استعمال میں یہ چھ نمبر پیدا ہو جاویں کہ کلمہ والے یقین۔ نماز والی شکل۔ علم والے طریقہ۔ ذکر والا دھیان۔ اکرام والے برتاؤ۔ اخلاص والی نیت۔ تبلیغ والے داعیہ کے ساتھ جسم کا ایک ایک حصہ استعمال ہونے لگے۔ اور اسی طرح تجارت۔ زراعت وغیرہ اور کھانا۔ پینا۔ لینا۔ دینا۔ پاخانہ۔ پیشاب سب کے اندر یہ چھ باتیں پیدا ہو جاویں تو انسان کے سارے اعمال اور سارے امور اعلیٰ دین بن جاویں گے اور جس عمل میں جتنی ان نمبروں کی کمی ہوگی اسی کے بقدر وہ عمل دین کے اعتبار سے بھی خام اور کمزور سمجھا جاوے گا۔ اب میں چند مثال دے کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

پہلی مثال

بدن میں سب سے زیادہ استعمال زبان کا ہوتا ہے۔ اس لیے اسی میں چھ نمبر پیدا کر کے بتاتا ہوں۔

اوّل نمبر کلمہ ہے۔ زبان سے جب بولیں اور جو کچھ بولیں وہ کلمہ

والے یقین کے ساتھ بولیں کہ اللہ سے ہوتا ہے غیر سے نہیں ہوتا۔ حضورؐ کے طریقے میں کامیابی ہے دوسرے طریقوں میں کامیابی نہیں۔ یعنی میرا بول اللہ کی رضا کے مطابق ہوگا تو اللہ کی مدد میرے ساتھ ہوگی اور میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم والے نہج پر زبان کو استعمال کروں گا تو زبان کا بولنا مفید اور باعثِ کامیابی و کامرانی ہوگا۔

دوسرا نمبر نماز ہے۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا کہ نماز اس صفت کا نام ہے کہ اپنے جسم کو اللہ کے حکم پر حضورؐ کے طریقے سے استعمال کر کے دکھانا یا استعمال کرنے کی مشق کرنا۔ بس زبان کی نماز یہ ہے کہ زبان کے بول اللہ کی منشاء اور حضورؐ کی اتباع میں ہونے لگیں۔

تیسرا نمبر علم و ذکر ہے۔ علم ہر موقعہ اور ہر بول کے بارے میں بتائے گا کہ اس وقت کون سی بات کی جاوے اور کس طرح کی جاوے اور ذکر اس وقت میں اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر بولنے اور بات کرنے کی کیفیت کو کہتے ہیں۔

چوتھا نمبر اکرام ہے کہ زبان کا بول ایسا ہو کہ کسی کا دل نہ دکھے اور کام بن جاوے۔

پانچواں نمبر اخلاص ہے کہ میں اس سب کی پابندی اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔

چھٹا نمبر تبلیغ ہے۔ وہ یہ کہ دوسروں کو بھی اسی طرح زبان استعمال کرنے کی ترغیب دیتے رہیں کہ "الدین النصیحہ" یہ ہی ہے۔

ایک پرہیز ہے "لایعنی سے بچنا" اپنی زبان سے بیکار اور فضول بات نہ کرے۔ جس قدر ضرورت ہو اسی قدر کلام کرنا۔

دوسری مثال کمائی کے بارے میں۔ کہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ کمائی کے بغیر کیسے کام چلے گا۔ جب یہ ضروری ہی ہے۔ جیسا کہ آجکل سمجھا جا رہا ہے تو دینِ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ضرور کمایا جائے لیکن کمانے سے مقصد اگر نفع اٹھانا ہے تو اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس میں چھ نمبر پیدا کئے جاویں کہ دارین کا نفع حاصل ہو اور نقصان

سے حفاظت ہو جاوے۔ اب اس کی ترکیب یہ ہے:۔

اوّل نمبر کلمۂ طیبہ ہے۔ یعنی کلمہ والے یقین سے کمانا کہ کمائی کی شکلوں میں نفع نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نفع آتا ہے اور حضورؐ والے کمائی کے طریقوں میں کامیابی ہے دوسرے طریقوں میں کامیابی نہیں۔

دوسرا نمبر نماز ہے۔ کہ کمائی کی شکل میں رہ کر اپنے جسم کو اللہ کی منشا اور حضورؐ کے طریقوں کے مطابق استعمال کرنا۔

تیسرا نمبر علم و ذکر۔ کمائی والے طریقوں کا علم حاصل کر کے ان کے مطابق کمائی کرنا۔ اور دل بیدار دست بکار کی صفت پیدا کرنا کہ دل میں اللہ ہو اور جسم سے کام کر رہے ہوں۔

چوتھا نمبر اکرام ہے۔ گاہکوں اور صاحب معاملہ سے اخلاق اور اکرام کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

پانچواں نمبر اخلاص ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی وجہ سے کرنا۔

چھٹا نمبر تبلیغ۔ ان باتوں کو دوسروں کو بتاتے ہوئے اور سمجھاتے ہوئے کمائی کرنا۔

ساتواں نمبر پرہیز لایعنی سے بچنا ہے۔

اس میں وہ سب کچھ داخل ہے کہ کمائی کی شکل بھی ایسی ہو کہ جس سے واقعی لوگوں کی ضرورتیں وابستہ ہوں۔ کپڑے کی دوکان یا کارخانہ جوتے کی دوکان یا کارخانہ وغیرہ وغیرہ۔ آجکل جو کھلونے اور بیکار اور فضول شکلیں بنانے کے کارخانے یا ان کی خرید و فروخت رائج ہیں۔ اس سے مال تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن خریدنے والے کا کچھ فائدہ نہیں۔ سوائے تھوڑی دیر کے تماشے کے کہ پھر چیز بھی ضائع ہو جاتی ہے اور اس کے پیسے بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گاہکوں سے بات کرنے اور معاملات کرنے میں بھی فضول گوئی اور اس قسم کی حرکتوں سے بچنا چاہیئے۔ اسی طرح ایسی مجلسوں سے بھی دور رہنا چاہیئے جہاں بیکار گفتگوئیں، اخباری تبصرے اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور اسی میں شادی بیاہ کے اخراجات اور رسومات پر مال کا ضائع کرنا وقت کو برباد کرنا سب کچھ

داخل ہے۔

نَفِرُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہ

اسی کو تفریغ اوقات کہا جاتا ہے۔ یہ نمبر تو نہیں ہے لیکن اسلام کا بہت ہی اہم اور خاص شعبہ ضرور ہے۔ کیونکہ نمبر تو اسے قرار دیا گیا ہے جو ہر وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن نفر فی سبیل اللہ ہر وقت کا حکم تو نہیں لیکن بوقت ضرورت اس کی اہمیت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ تمام امور سے اہمیت میں بڑھ جاتا ہے اور اس وقت اس میں سستی کرنا یا عذر کرنا تک اللہ کو اور اس کے رسول کو گوارا نہیں۔ ترک کرنا تو بہت ہی خطرناک ہے چنانچہ قرآن پاک میں اس کی ترغیب اور اس کے ترک یا سستی پر وعیدیں جگہ جگہ ارشاد فرمائی ہیں۔

ایک جگہ ارشاد باری ہے:۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔	نکل جاؤ (اللہ کے راستہ میں) ہلکے اور بھاری جہاد کرو اپنی جان اور اپنے مالوں کے ساتھ اسی میں تمہارے لئے خیر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

فائدہ:۔ ان آیات میں اللہ رب العزت تاکید فرما رہے ہیں کہ جس حال میں بھی ہو اسی حال میں نکل جاؤ جبکہ تم کو اللہ کے راستہ میں نکلنے کو پکارا جاوے اور اللہ کے دین پر جان بھی لگاؤ اور مال بھی لگاؤ کہ اس میں تمہاری کامیابی اور بہتری ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل اور سمجھ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی	اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں نکلو تو تم زمین (سے چمٹ جاتے ہو) بوجھل ہو جاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو

الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(س توبہ پ ۱۰)

پسند کرتے ہو۔ اور دنیا کا مال و متاع انتہائی حقیر و قلیل۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دیگا اور تمہارے بدلے میں کسی دوسری قوم کو ایمان دے کر (ان سے اپنا کام لے لے گا) اور تم اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان آیات میں کس قدر دھمکی دی گئی ہے۔ ذرا غور فرماویں کہ جب نکلنے کی آواز دی جاوے تو نکلنا ہی ضروری ہے۔ اللہ کیسے انداز میں فرما رہے ہیں کہ جیسے باپ بیٹے کو اور ایک مہربان حاکم اپنی رعایا کو کسی موقع کی بات کو سمجھاتا ہے۔ اور خبردار کرتا ہے کہ دیکھو یہ موقعہ ایسا ہے اس وقت تم نے غفلت برتی اور چوک گئے تو بہت بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے اور بہت بڑے نفع سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس طرح اللہ رب العزت اپنے بندوں کو آگاہ کر رہے ہیں کہ جب اللہ کے دین کی خاطر باہر نکلنے کی دعوت دی جاوے تو پھر یہ عذر معذرت کیسی۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی کا زمین سے چمٹ جانا۔ بس یہ جان لو کہ نکلنے میں ہی خیر و فلاح اور کامیابی ہے۔ کیونکہ تم کو روکنے والی چیز دنیاوی مال متاع اور منافع ہیں تو ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یہ تو بہت ہی کم اور بہت تھوڑے وقت کی چیزیں ہیں اور آخرت کی نعمتیں اور کامیابیاں ہمیشہ ہمیشہ کی ہیں۔ بس یہ جان لو اگر تم اب بھی نہ سمجھے تو پھر اللہ کسی دوسری قوم کو ایمان کی دولت عطا فرما کر اپنے دین کا کام ان سے لے لیں گے اور تم اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔

اور ایک جگہ ارشاد باری ہے:-

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ

ایسا کیوں نہ کر لیا جاوے کہ ہر فرقہ اور ہر خاندان میں سے ایک ایک جماعت اللہ کے راستے میں نکل جایا

إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ	کرے تاکہ ان میں دین کی سمجھ پیدا
لَعَلَّهُمْ	ہو۔ اور جب واپس آویں تو اپنی قوم
يَحْذَرُونَ۔	وقبیلہ کو بھی ڈراویں (سمجھاویں) تاکہ
(پ۱۱ س توبہ)	وہ بھی بُرے کاموں سے بچتے رہیں۔

ان آیات میں اللہ رب العزت نکلنے کی ترتیب قائم کرنے کی آسان اور بہترین صورت بیان فرمارہے ہیں کہ سب اس کو نبھا سکیں اور دین کا کام بھی ہوتا رہے اور دنیوی کاروبار بھی چلتے رہیں اور ساتھ ساتھ نکلنے کا فائدہ بیان فرمادیا ہے کہ اس میں یہ تمہارا نفع ہے کہ نکلنے سے دین کی سمجھ پیدا ہوتی ہے جس کو دوسری جگہ "یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ" کے ذریعہ بھی سمجھایا ہے کہ زمین کی سیر وسیاحت کرتے رہا کرو کہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مختلف قوموں اور ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان سے گفتگو کرنے اور اپنی بات پہنچانے کا موقعہ ملتا ہے۔ صحت پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔ خدا کی قدرت کے مناظر دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے جس کی وجہ سے ایمان ویقین میں تقویت پیدا ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت میں بھی یہ ہی فرمایا کہ نکلنے سے دین کی سمجھ پیدا ہوگی اور پھر آگے ذکر فرمایا کہ واپس آکر کیا کرنا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ گھروں پر رہ گئے اب آکر ان کو سمجھاؤ۔ اور ڈراؤ کہ اے لوگو! اپنے ایمان وعمل کو درست کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اب تم اللہ کے راستہ میں نکلو۔ اگر یہ ہی ترتیب اور سلسلہ جاری رہے گا تو دنیوی کاروبار بھی چلتے رہیں گے اور دین کا کام بھی ہوتا رہے گا۔ تبلیغ میں اسی کو مقامی کام اور بیرونی نقل وحرکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو حکم فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ	جب تم سے نکلنے کو کہا جاوے تو فوراً
فَانْفِرُوا۔	نکل جاؤ۔

غرضکہ نفر فی سبیل اللہ یا تفریغ اوقات اسلام کا تبلیغی شعبہ ہے

اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

موقع شناسی و مردم شناسی

موقعہ شناسی و مردم شناسی بھی کام کرنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اگر اس کی مہارت اور سمجھ پیدا نہ کی گئی تو کام پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے اس کی مشق کی جاوے کہ کس موقع پر کیا کرنا بہتر ہے اور کس آدمی سے کس طرح ملنا چاہیئے اور کیا گفتگو کرنی چاہیئے۔

اختلافی مسائل سے اجتناب

مسائل میں اختلاف آج سے نہیں بلکہ ابتداء سے ہی ہے اور اس میں اللہ رب العزت نے بے انتہا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ اہل فہم اور اہل علم ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے کبھی بھی اور کسی زمانے میں بھی اعلیٰ علم و فہم والے طبقہ میں جھگڑا نہیں ہوتا۔ عوام ہر زمانے میں لڑتے اور جھگڑتے رہے۔ جب خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے تو پھر کسی کو جھگڑنا اور لڑنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے۔

چونکہ تبلیغی کام کے ذریعہ پوری امت کو جوڑنا مقصود ہے اس لیے نکلنے کے زمانے میں خصوصاً اور گھر رہ کر بھی اختلافی باتوں میں پڑنا۔ یا چھیڑنا تبلیغ میں روا نہیں۔ ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی چھیڑے بھی تب بھی اس سے کہدیا جاوے کہ یہ بیکار چیز ہے۔ بحث مباحثہ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ کام کرو کہ یہ کام کا وقت ہے۔

چندہ اور مال کے حصول کی شکلوں سے اجتناب

کام کرنے والوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ چندہ اور مال کے وصول کرنے سے بچتے رہیں کہ آج کے زمانے میں اس میں بہت خرابی آچکی ہے کہ غلط کاروں نے صحیح کام کرنے والوں کو بھی بدنام

کر دیا ہے اور عوام اس سے بہت بدظن ہیں۔ چندہ کا نام سنتے ہی اپنے ذہن میں غلط تصور اور غلط رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ دینی امور کیلئے چندہ کرنا ممنوع نہیں بلکہ بعض کاموں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں اور چندہ دینے والوں کے لئے بہت اجر و ثواب بتایا گیا ہے احادیث میں اس کے متعلق فضائل ہیں اور بہت ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن تبلیغ کے ذریعہ دین کے ہر شعبہ اور امت کے ہر فرد کی پوری زندگی کی اصلاح مقصود ہے اور مصلح کو ان تمام شکلوں سے بچنا ضروری ہے کہ جن کی وجہ سے اس کی ذات یا اس کے عمل سے بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہوں اس لئے چندہ والی شکل سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے۔

جوش و ہوش

جوش انسان کی اس قوت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ انسان کٹھن سے کٹھن منزلوں کو طے کرتا ہے اس لئے اس کا پیدا کرنا نہایت ضروری ہے لیکن اگر جوش میں آکر آدمی اتنا تیز چلنے لگے کہ زمین کی طرف نگاہ ہی کرنا چھوڑ دے تو ایسا مسافر ہر وقت خطرے میں ہے کہ پتہ نہیں کس وقت کس گڑھے میں پاؤں پڑ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے۔ یا کسی سانپ، بچھو پر پاؤں پڑ جائے اور وہ ڈس لے یا کسی طرف سے دشمن حملہ کر دے اور اسے قتل کر ڈالے۔ اسلئے چلتے ہوئے ہوش میں رہنا بھی ضروری ہے کہ چوکنا ہو کر چلے اور اوپر نیچے، دائیں بائیں آگے پیچھے کا ہر وقت خیال اور فکر رکھے۔

اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اس قدر ہوش کو نہ بڑھا دے کہ بیٹھا بیٹھا خطرات کو ہی سوچتا رہے اور ڈرتا رہے اور بیٹھے بیٹھے جان نکل رہی ہو کہ اسے بزدلی کہتے ہیں۔ اور یہ آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے چلتے رہو اور ڈرتے رہو۔ بس ان دونوں صفات کا توازن ٹھیک اور کانٹے پر رہنا چاہیئے کہ ترازو کا کانٹا صحیح ہے تو وزن بھی صحیح ہو سکے گا اور اگر اسی میں فرق ہے تو یا دینے والے کا نقصان ہوگا یا لینے والے کا نقصان ہوگا۔

بے غرض ہو کر کرنا

اغراض کا مرض ایسا ہے کہ اچھوں اچھوں کی ہمت کو پست کر دیتا ہے بڑے بڑے سورماؤں کو معمولی لوگوں کے سامنے جھکا دیتا ہے۔ چنانچہ آج اس کے مناظرات دن سامنے آتے رہتے ہیں کہ ایک ایک ووٹ حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے وزراء اور صدر غربار کے گھر کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ دین متین ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کے داعی کا مقام اللہ کے ہاں بلند بہت ہے اس لیے داعی کو تمام اغراض سے پاک ہو کر کام کرنا چاہیئے۔

اپنے اوپر اپنا مال خرچ کرنا

داعی کو اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ دوسروں کے پیسے پر نظر نہ ہو اور اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے کہ اس میں بڑی ذلت ہے اور وقار کو ٹھیس لگتی ہے۔ فاقہ اچھا ہے لیکن کسی کا مال اپنے اوپر خرچ کرنا مناسب نہیں کہ ایسا آدمی کبھی قوت سے بات نہیں کر سکتا خصوصاً جس کا مال اپنے اوپر لگ گیا اس کے سامنے گردن جھکانی ہی پڑتی ہے۔

ہجرت و نصرت

ہجرت و نصرت اسلام کے بڑے اہم امور میں سے ہیں۔ اور دین کے فروغ اور تعدیہ کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہیں۔ قرآن پاک اور احادیث میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس پر وعدے بھی بہت کچھ کئے گئے ہیں اور ان کے چھوڑنے یا ان میں سستی کرنے پر وعیدیں بھی بہت ہیں۔

ہجرت، گھر چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ استدار میں بالکلیہ گھر چھوڑنا فرض قرار دیا گیا تھا کہ واپسی کا خیال ہی نہ آجاوے۔ فتح مکہ کے بعد بالکلیہ ہجرت کرنے کو ختم کر دیا گیا اور بوقت ضرورت ہجرت کرتے رہنے اور

واپس آنے کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کا جہاد ہجرت ہے۔ اور جہاد۔ جہد سے ہے جس کے معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ اگرچہ محنت و مشقت مقام پہ بھی کرنی ہے لیکن گھر سے نکل کر محنت کرنے کی نوعیت دوسری ہے۔ تبلیغ میں اس کی ترتیب یہ ہے کہ ماہانہ تین یوم قرب و جوار میں لگاتے رہنا جس کو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پنجگوس کے نام سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس کی تفصیل مقامی کام کے ذیل میں آئیگی انشاء اللہ اور سال میں ایک چلہ یعنی چالیس دن متواتر لگانے۔ اور پوری عمر میں ایک دفعہ مسلسل تین چلے یعنی چار ماہ لگانے۔ اس کے بعد ترقی ہے کہ سالانہ آٹھ ماہ یہ آخری حد ہے۔

اور نصرت کہتے ہیں اس کو کہ جو لوگ گھروں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں ان کے پیچھے ان کے گھر والوں کے کاموں اور ضرورتوں میں مدد کرنا۔ اور جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے لوگ ان کے ساتھ جڑ کر کام کریں۔ اس کی تفصیل بھی دوسری جگہ کی گئی ہے۔

معروف کی دعوت دینا منکر کو نہ چھیڑنا

تبلیغی محنت میں یہ اصول کہ معروف یعنی نیکی کی طرف بلانا اور منکر یعنی بداعمالیوں پر روک ٹوک نہ کرنا بڑی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ معروف کی مثال روشنی جیسی ہے اور منکر کی مثال اندھیرے کی۔ اور قاعدۂ کلیہ ہے کہ اندھیرے کا علاج روشنی ہے۔ اندھیرا اندھیرا کہنے سے کبھی بھی دور نہ ہوگا چاہے کتنے ہی پکارتے رہو۔ اور اگر ایک موم بتی خاموشی کے ساتھ جلا کر رکھ دو پورے مکان کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔ بس دعوت میں بھی یہ خاص گر ہے کہ لوگوں کو نیکی کے فضائل بتا بتا کر اس قدر سمجھاؤ کہ اس کے دل میں نیکی کی قیمت و عظمت پیدا ہو جاوے اور وہ اس کا عامل بن جاوے پھر منکرات کو خود ہی چھوڑ دے گا۔ اور جب وہ نیکی کی طرف چل دے گا اور نیکی کا ذہن بن جاوے گا

نیکی کی قیمت اس کے دل میں آجاوے گی تو پھر اگر کوئی بدی کی عادت بھی باقی رہ گئی ہے۔ اُمید یہ ہے کہ کسی دن اسے بھی خود ہی چھوڑ دے گا۔ لیکن اگر کسی سے اس کا گہرا تعلق ہو گیا ہے اور وہ اس کی بات قبول کرنے میں اپنا نفع یقین کرنے لگا ہو تو پھر یہ آدمی اس کو ذرا توجہ دلائے گا تو وہ فوراً توبہ کر کے اس برائی کو ترک کر دے گا۔ اور دوسری بات حضرت جیؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بہت سی برائیاں محبوب بن چکی ہیں۔ اور یہ عام بات ہے کہ دوسروں کے نزدیک اس کا محبوب کتنا ہی بدشکل اور بدکردار اور نقصان پہچانے والا ہو لیکن جس کا وہ محبوب ہے اس کے سامنے اگر اس کی برائی کی گئی تو وہ غصہ ہو جاوے گا اور اگر قدرت وطاقت ہوئی تو مارنے مرنے کو تیار ہو جاوے گا۔ اسی وجہ سے داعی کے لئے ضروری ہے کہ دل میں تو برائی کی نفرت پوری پوری رکھے لیکن دعوت کے وقت صرف نیکی کی طرف بلاتا رہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے کہ یا اللہ امت کی اصلاح فرما!

اُمّت کی بے دینی کا غم اور اُمّت پر شفقت

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان دیدیں گے۔

انسانوں میں انسانوں کے سب سے زیادہ ہمدرد اور بہی خواہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان میں بھی ان کے اور ہمارے سردار حبیب خدا رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپؐ کے بارے میں خود خداوند قدوس فرما رہے ہیں کہ کیا آپؐ ان نافرمانوں اور کافروں کی بد کرداری۔ بد دینی۔ ناخدا شناسی کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔ میں نے مثال کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے ورنہ آپؐ کی صفت کو اللہ رب العزت نے مختلف عنوانوں سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور آپؐ کی سیرت اس کے نمونوں سے بھری ہوئی ہے۔ بس داعی کے لئے اس صفت کا پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کا پورا پورا اندازہ اور ظہور اپنے

رفقاء کار کے ساتھ رہنے سہنے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان سے ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اور ان کی ہر قسم کی بے عنوانیاں بھی سامنے آتی رہتی ہیں۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ امیر کے اخلاق اور شفقت کا امتحان رفقاء کے ساتھ برتاؤ سے ہوتا ہے۔ اگر ہر ساتھی امیر کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے کہ ہمارا امیر ہمارے تمام ساتھیوں سے زیادہ مجھ کو چاہتے ہیں اور میرے اوپر سب سے زیادہ شفیق و مہربان ہیں تو سمجھو کہ امیر کے اندر یہ مایہ موجود ہے کیونکہ اس کی یہ ہی صفت رفقاء کی کشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور پھر جتنی اس میں کمی ہوگی اسی قدر امیر کے اندر صفت کو کم سمجھا جائے گا۔ اس کا اثر ساتھیوں پر بھی پڑے گا اور کام پر بھی اثر انداز ہوگا۔ اب چونکہ ہر ایک کو کبھی امیر بنایا جاوے گا کبھی وہ مامور ہوگا تو اسلئے اس صفت کو ہر مبلغ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے اور اپنے کو جانچتا رہے کہ میرے ساتھ لوگوں کا خصوصاً رفقاء کا کس قدر جوڑ ہے۔ بالخصوص امیر الامراء کے اندر یہ صفت سب سے زیادہ بڑھی ہونی چاہیئے کہ وہ ساری امت کے جوڑنے کا ذمہ دار ہے۔

ہم نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اس صفت کا کمال پایا کہ ایک بھی ساتھی ایسا نہیں جس کا دعویٰ یہ نہ ہو کہ حضرت جی مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ یہ تو صرف امیر اور رفقاء کی بات ہے لیکن اس صفت کو اس قدر بڑھایا جاوے کہ ہر بد دین سے بد دین کے ساتھ بھی ہمدردی اور شفقت پیدا ہو جاوے یہاں تک کہ کافروں۔ یہودیوں۔ عیسائیوں اور سارے انسانوں کی بے دینی کا غم دل میں آجاوے اور ان کو راہ راست پر لانے کی فکر اپنے اندر پیدا ہو جاوے۔

امیر کا انتخاب اور اسکی اطاعت

امیر کا مسئلہ بھی اسلام میں بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اسکی تفصیل تو لمبی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ جماعتوں کی روانگی سے پہلے امیر کا بنانا ضروری ہے۔ اور اس میں خوب غور و فکر کیا جاوے کہ امیر کا

اثر پوری جماعت اور اس کے سفر پر پڑتا ہے۔ اور بے امیر کے جماعت ہی نہیں۔ امیر بنانے کے لئے عالم یا لکھا پڑھا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس میں سنجیدگی۔ سمجھ اخلاق، قوت برداشت، خدمت کا مادہ اور ہر کس و ناکس کو جوڑنے کی صلاحیت اور کام کا فکر پایا جاوے اس کو امیر بنانا چاہیئے اگر امیر مذکور صفات سے آراستہ ہوگا تو پھر چاہے وہ علم کے اعتبار سے کم ہو یا بالکل بھی نہ ہو تب بھی کام چلالے گا۔ بس امیر کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ جماعت کو دعوت، نماز، علم اور ذکر کی انفرادی و اجتماعی شکلوں میں مشغول رکھے اور ان کی انفرادی ضرورتوں کا لحاظ بھی کرتا رہے کیونکہ اللہ نے انسان میں مختلف ضرورتیں اور حاجتیں رکھی ہیں اور جسمانی تقاضے اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ان کے پورے کئے بغیر چارہ نہیں۔ پس امیر کو چاہیئے کہ تمام کاموں کو مشورہ کے ساتھ انجام دے کہ اس میں برکت بھی ہے اور آپس کے جوڑ کا ذریعہ بھی ہے اور ساتھیوں میں بشاشت بھی باقی رہتی ہے اور اللہ کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اور ساتھیوں کو چاہیئے کہ امیر کی اطاعت کریں اس کی خدمت کریں اور جس کام کو کہا جاوے خوشی سے انجام دیں کہ جماعت کا نفع اسی میں ہے کہ امیر کی اطاعت کرتی رہے۔ امیر اور مامور کی ذمہ داریوں کو دوسرے رسالہ معینی "روانگی کی ہدایتوں" میں بتایا گیا ہے۔

اجتماع کو باقی رکھنا افتراق سے بچنا

اجتماعیت بہت بڑی نعمت ہے اور بڑی طاقت ہے۔ اس میں بڑی عزت ہے اور قومی۔ ملی۔ ملکی وقار کا ذریعہ ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ مومنین کی مثال ایک جسم کے مانند ہے کہ اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم بیچین ہو جاتا ہے۔ کیسی جامع اور مدلل مثال ہے کہ جسم کے مختلف حصے ہیں اور ہر ایک کا ایک مخصوص کام ہے اور ہر ایک کا مقام الگ الگ ہے۔ ہر ایک کی شکل جدا جدا ہے۔ لیکن سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اور آپس کے جوڑ

کی وجہ سے سب کے کام چل رہے ہیں اور اگر اجتماعیت نہ رہے تو جماعت نہ رہے گی بلکہ سیاسی تحریک بن جاوے گی اور کام کی جان نکل جاوے گی

اس مضمون کو حضرت جیؒ بہت فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ داعی کا سب سے اونچا اور نرالا کمال تو یہ ہی ہے کہ وہ ٹوٹے ہوؤں کو جوڑتا ہے۔ پھٹے دلوں کو آپس میں منسلک کر دیتا ہے اور دشمنوں کو دوست بنا دیتا ہے اور منتشر انسانوں اور ایک دوسرے کی دشمن قوموں کو ایک امت کے دھاگے میں پرو دیتا ہے۔ اگر ہمارے کام میں سے یہ بات جاتی رہی تو پھر کام ہی کہاں باقی رہے گا۔ صرف نمازی، حاجی، ذاکر بنا دینا کمال کی بات نہیں۔ دعوت کا کمال ہی یہ ہے کہ بکھرے انسانوں کو آپس میں جوڑ دے۔ اور اس میں کامیابی کی شکل یہ ہے کہ ہر انسان میں اللہ نے کوئی نہ کوئی خوبی رکھی ہے۔ چاہے وہ کافر ہو یا مشرک۔ یہودی ہو یا عیسائی۔ مسلم ہو یا غیر مسلم بس داعی کو چاہیئے کہ انسانوں کی خوبیاں تلاش کرے اور ان کے تذکروں کو بڑھایا جاوے کہ فلاں قوم میں یہ خوبی ہے۔ فلاں ملک والوں میں یہ خوبی ہے۔ فلاں خاندان میں یہ خوبی ہے۔ فلاں حاکم میں یہ خوبی ہے۔ اور فلاں تاجر میں یہ خوبی ہے۔ اور فلاں انسان میں یہ خوبی ہے۔

بالخصوص مسلم کی خوبیوں کو بہت اچھالا جاوے کہ خوبیوں کے تذکرے جوڑ پیدا کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ اور برائی کو دبایا جاوے۔ اس کے تذکرے کو زبان پر بھی نہ لایا جاوے کہ اس سے دل پھٹتے ہیں۔ جھگڑے بڑھتے ہیں۔ نفرت پیدا ہوتی ہے اور افتراق کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے اس سے سختی کے ساتھ روکا جائے اور خود کو بچانے کی بھرپور کوشش کی جاوے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک بڑے رئیس اور با اثر آدمی نظام الدین آئے ہوئے تھے اور ان کو کوئی ناگواری کی بات پیش آگئی تو اس نے بہت غصہ میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے سخت لہجہ میں کہا۔ کہ اس مسجد میں (بنگلہ والی مسجد) کیا بدمعاش بھی آتے ہیں۔ تو حضرت نے اس کی وجہ نہ پوچھی نہ مزید تحقیق کی۔ بلکہ آپ نے بھی بہت زور کے ساتھ فرمایا۔ ہاں یہاں بدمعاش بھی آتے ہیں بلکہ ہم تو بدمعاشوں کو دعوت دے کر لاتے ہیں۔ جس کو یہ بات ناپسند ہو وہ یہاں

آوے۔ بعد میں اس شخص کا بہت اکرام اور بڑی تواضع فرمائی اور بڑے نرم لہجہ میں سمجھایا اور فرمایا آپ ہی فرمادیں کہ اگر مسلمانوں کے بدمعاش اور شریر اور برائیوں میں پھنسے ہوئے طبقوں کو دیندار اور سمجھدار اور دین کا درد و فکر رکھنے والا طبقہ گلے نہ لگائیگا تو ان کی اصلاح کی کیا صورت ہوگی۔ غیر مسلم تو ان کو گلے لگانے سے رہے۔ البتہ اگر وہ اسلام ہی کو چھوڑ دیں اور انہی کے مطابق بن جائیں تو دوسری بات ہے اسکو سن کر وہ شرم کے مارے پانی پانی ہوگئے اور فرمایا آپنے میرے دل کو کھینچ لیا۔ واقعی میں غلطی پر تھا۔

دعا دعا اللہ رب العزت سے مانگنے کو کہتے ہیں اور تبلیغ میں اسی کی دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی مانی اور اللہ سے مانگنا آجائے۔ بس اسلام کا لب لباب یہی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (پ۲۴) اللہ فرماتے ہیں مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پ۲) جب کوئی دعا کرنیوالا دعا کرتا ہے تو میں اسکو قبول کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" اور ایک ارشاد ہے "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" دعا عبادت کا مغز ہے اور یہ کہ عبادت سے مراد دعا ہی ہے۔

بہرحال دعا بہت بڑی طاقت ہے اور انبیاء علیہم السلام کو اللہ رب العزت نے دعا کی طاقت ہی عطا فرمائی تھی جس سے وہ کامیاب ہوتے تھے۔

بس جس قدر زندگی اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ رسول کے مطابق بنتی جاوے گی دعائیں جان پڑتی جاوے گی۔ لیکن یہ شرط نہیں۔ بلکہ اللہ ہر بندے کی سنتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ اللہ کے دین کی محنت کے لئے نکلتے ہیں ان کی دعائیں انبیاء علیہم السلام کے مانند قبول ہوتی ہیں۔

بہرحال دعا کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور اس کی جان یہ ہے کہ اللہ کو پورے یقین کے ساتھ کرتا دھرتا مان کر اور اپنے کو اور پوری مخلوق کو محتاج یقین کر کے اپنی ضرورت ان کے سامنے پیش کر دینا۔

حضرت مولانا محمد پالن حقانی صاحب کی تصنیفات

۱۔ شریعت یا جہالت (اضافہ شدہ)

قیمت اردو ۱۴۰ روپے، ہندی ۱۴۰ روپے، گجراتی ۱۴۰ روپے

۲۔ حقانی صاحب کی تقریریں اور نصیحت آموز لطیفے دو جلدیں

قیمت مکمل سیٹ ۳۰۰ روپے

۳۔ قرآن وحدیث اور مسلک اہل حدیث مکمل تین جلد

قیمت مکمل سیٹ ۲۹۰ روپے

۴۔ حق اور باطل کی جنگ قیمت ۱۰۰ روپے

۵۔ انگوٹھی خطرے سے خالی نہیں قیمت ۳۵ روپے

۶۔ تین جماعتیں جنت میں جائیں گی اور چوتھی جماعت کا جنت میں داخلہ نہیں ہوگا قیمت ۱۰۰ روپے

۷۔ ضد میں ابلیس سے آگے قیمت ۱۰۰ روپے

۸۔ عبادت کر رب کی اور اتباع کر رسولؐ کی قیمت ۱۴۰ روپے

۹۔ نعتیں وسلام قیمت ۵ روپے

Rabbani Book Depot
Book Seller, Publishers and Order Suppliers
1813, Shaikh Chand Street Lal kuan Delhi-110 006
Ph.: 3210118, 3217840

ربانی بک ڈپو کوچہ شیخ چاند لال کنواں دہلی
Fax.: 91-3217840

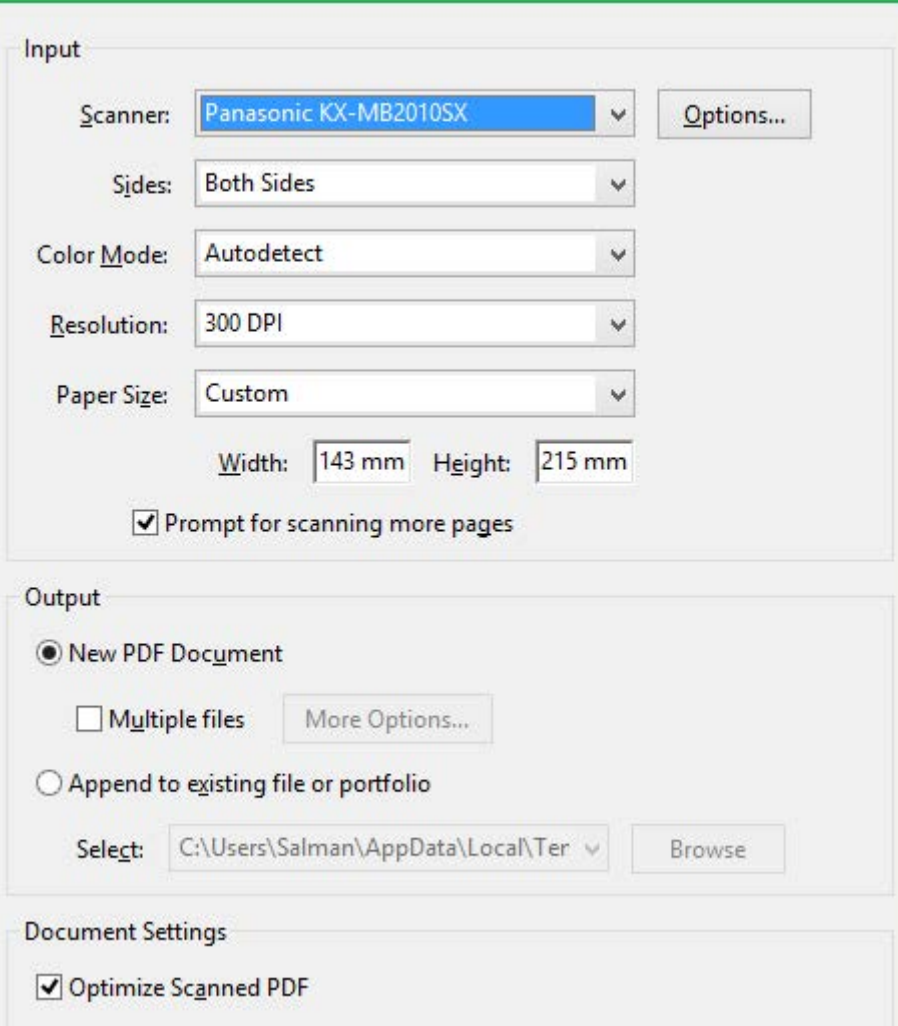
Input
Scanner:
Panasonic KX-MB2010SX
Options...
Sides:
Both Sides
Color Mode:
Autodetect
Resolution:
300 DPI
Paper Size:
Custom
Width:
143 mm
Height:
215 mm
Prompt for scanning more pages
Output
New PDF Document
Multiple files
More Options...
Append to existing file or portfolio
Select:
C:\Users\Salman\AppData\Local\Ter
Browse
Document Settings
Optimize Scanned PDF